نایاب جیلانی

کچھ دن لگیں گے

"اے کومی۔" لحاف میں سے ایک ٹھٹھرتی آواز برآمد ہوئی تھی۔

"کیا ہے خالہ؟" کومی نے لحاف میں منہ دیے دیے دہاڑ کے پوچھا۔

"کومی پتر! دیکھ تو برساتی میں کوئی لکڑی بچی ہے۔" عصر کے وقت سے لے کر اب تک خالہ نے کم و بیش سولہویں دفعہ ٹھٹھرتے کانپتے ہوئے پوچھا تھا۔ خالہ کا بار بار لکڑیوں کے بارے میں سوال کرنا کومی کو بری طرح سے تپا گیا۔

"کب سے ٹیپ بجائے جا رہی ہو خالہ! ایک ہزار ایک مرتبہ تو بتا چکی ہوں۔ صبح کا چولہا جلانے کے لیے لکڑی رکھی ہے۔ کل وحشت خان سے کہوں گی، بالن کاٹ کر دے جائے، یہ کمینہ بھی نہ جانے بغیر بتائے کہاں دفعان ہو گیا ہے۔"

"وحشت خان کہاں گیا ہے؟" خالہ نے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے خود کو لحاف میں دبا لیا تھا مگر ٹھنڈ تھی کہ ہڈیوں پسلیوں میں گھس رہی تھی۔ باہر برف باری کی شدت میں جیسے ہی اضافہ ہونے لگتا تھا، کمرے کی چھت اور دیواریں تک برف کا بلاک بن جاتی تھیں۔ ایسے موسم میں لکڑی ان جیسے سفید پوشوں کے لیے

مکمل ناول

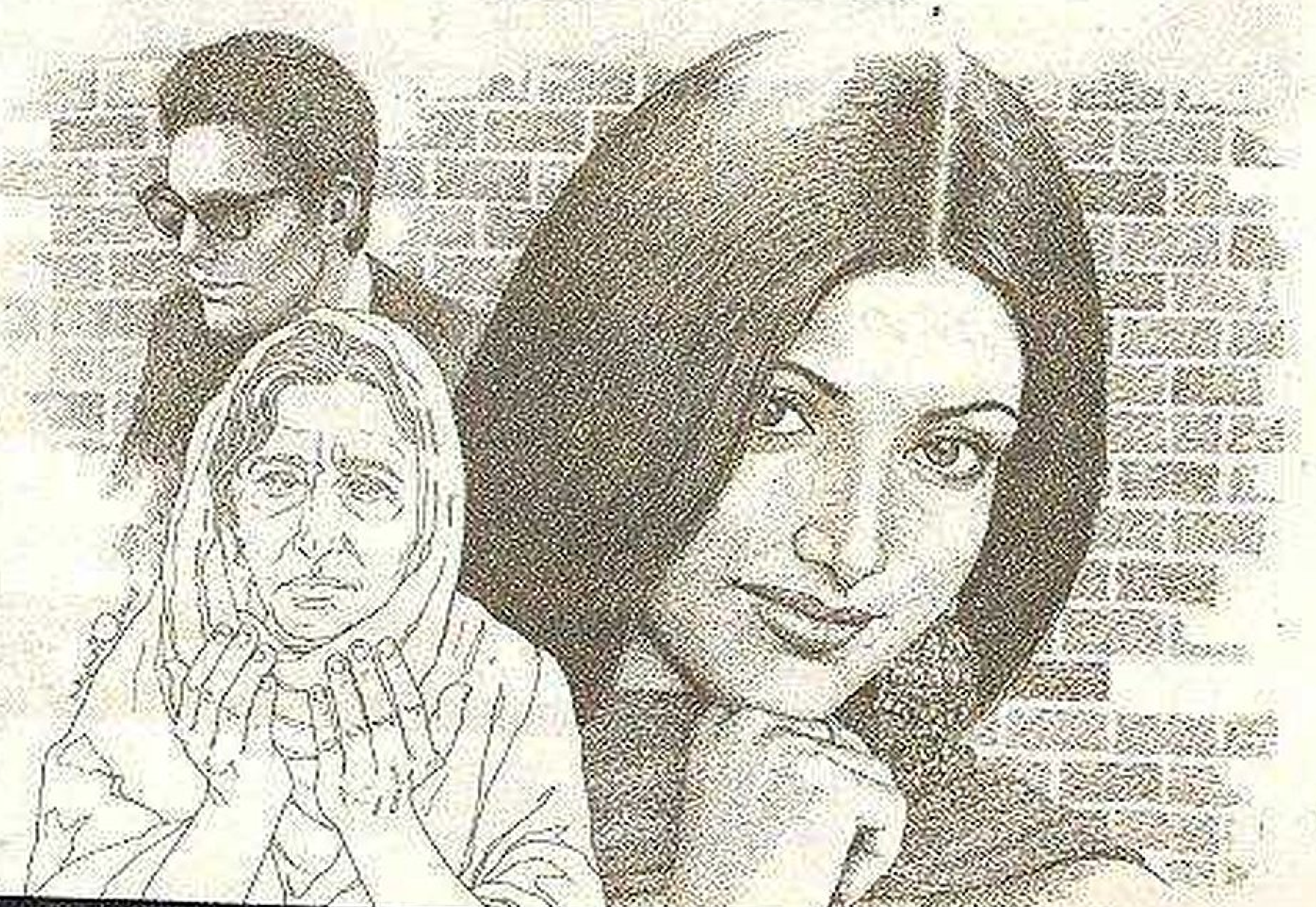

www.pkdigest.com

کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ پہلے تو وحشت خان خاصی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالن روزانہ ہی "تقریباً" لے آتا تھا۔ مگر پچھلے ایک دو روز سے وہ بھی نہ جانے کہاں تھا۔

"کومی!" خالہ نے ایک مرتبہ پھر نحیف سی آواز میں پکارا۔ کومی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"پتر! سو گئی ہو کیا؟"

"بولو خالہ! کانوں سے سنتی ہوں۔ ناس ماری نیند اس ٹھنڈ میں بھلا آئے گی۔" لحاف سے ایک سلگتی آواز برآمد ہوئی۔

"وحشت خان اتنے روز سے کہاں ہے؟" خالہ کی سوئی اب وحشت خان میں اٹک چکی تھی اور اب کومی جانتی تھی کہ نہ جانے کتنے ہی گھنٹے وحشت خان کی گردان ہوگی۔

"مجھے بتا کر نہیں گیا۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"کہیں بیمار نہ پڑ گیا ہو' بغیر بتائے تو کہیں نہیں جاتا۔" خالہ کے لہجے میں واضح پریشانی تھی۔ اور اس پریشانی کی اصل وجہ یہ بھی تھی کہ وحشت خان اگر سویرے بھی نہ آیا تو لکڑیاں کہاں سے آئیں گی۔ انگیٹھی کیسے تپے گی؟ چولہا کیسے چلے گا؟

"ارے' یہ تو میں نے بھی نہیں خیال کیا۔ وہ بیمار نہ ہو۔" کومی سوچ میں پڑ گئی۔

"نمونیہ ہوا ہوگا۔ پچھلے سال بھی ہوا تھا۔" خالہ بے حد وثوق سے بول رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کر رہ گئی۔ "وحشت خان بیمار ہوا تو سچ مچ ہماری قلفی جم جائے گی خالہ! اب میں کم از کم کلہاڑی لے کر درخت کاٹنے تو نہیں جاؤں گی۔" اس نے گویا وارننگ دے ڈالی تھی۔

"رب خیر کرے۔" خالہ نے لرزتی آواز میں کہا۔ "تو صبح اس کے گھر پتا کرکے آنا۔"

"جاؤں گی' ضرور جاؤں گی' اب سو جاؤ خالہ۔" کومی نے شاید کروٹ بدل لی تھی۔ چارپائی کے چرچرانے کی آواز آئی تھی۔

"نیند نہیں آرہی پتر!" خالہ نے گویا بے بسی کی آہ بھری۔ "ٹھنڈ تو لگتا ہے میری رضائی میں گھس گئی ہے' تو اطمینان سے پڑی ہے' واہ' کیسی موج ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟" کومی کو بھی غصہ آگیا۔ ویسے بھی اس کا غصہ تو ناک پر دھرا رہتا تھا۔

"مجھے چائے بنا کر دے۔"

"چینی نہیں ہے۔" کومی نے سلگ کر کہا۔

"بغیر چینی کے پی لوں گی' پہلے بھی تو پی ہے۔ یہاں کون سا چینی کی بوریاں دھری رہتی ہیں۔" خالہ نے تیکھے انداز میں جتایا۔

"میرے باپ کی شوگر مل چلتی ہے نا۔ بوریاں میں نے اسٹور کر رکھی ہیں۔ روکھے سوکھے ویلے (وقت) کے لیے۔" وہ بھی کومی تھی۔ ادھار رکھنے کی قائل ہرگز نہیں تھی۔

"وہ نشئی تو اپنے جوگا نہیں تھا۔ کوئی ایک گُن بھی نہیں تھا تیرے باپ میں' اسی لیے رب نے اسے رزق بھی ترساترسا کر دیا تھا۔ کمبخت' ناشکرا' بے قدرا۔" ہمیشہ والا راگ الاپنے کے لیے خالہ فل موڈ میں آچکی تھیں۔

"بس کرو خالہ! بخش دو میرے باپ کو' اس کی روح تلملا رہی ہوگی۔" کومی کو ہنسی آگئی۔

"موا جہنمی' دوزخ میں سڑ رہا ہوگا۔"

"تم تو گویا ابا سے ملاقات کرکے آئی ہو خالہ!" کومی نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ خالہ کا دھیان بٹ گیا ہے۔

"کومی! آج بہت ٹھنڈ ہے نا۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ بجتے دانت اور کپکپاتا وجود کسی اور بات کو سوچنے ہی کہاں دے رہے تھے۔

"صبح' شام برف پڑتی ہے' ٹھنڈ تو ہوگی۔" کچھ سوچ کر کومی لحاف ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے کے ایک کونے میں بہت پرانی دادی کے وقت کی پیٹی رکھی تھی۔ وہ ٹھٹھرتی پیٹی تک آئی۔ پیٹی کے اوپر سے سامان اتارا۔ لکڑی کی صندوق' پلاسٹک کی ٹوکری' جس میں تہہ کیے کپڑے رکھے تھے۔ پانی کا کولر' شہر سے نئی نکور منگوائی

گئی استری۔ اور خالہ کی دوائیاں وغیرہ۔ پھر پیٹی کھول کر ایک اور رضائی نکال کر خالہ کے اوپر پھیلا دی۔

"کومی ہڑا! یہ تو نے کیوں نکالی' اگر کوئی پروہنا (مہمان) آگیا تو کیا پڑوسیوں سے مانگیں گے۔ نئی نکور ویلوٹ کی رضائی ہے۔ لے کے میرے اوپر ڈال دی۔" خالہ نے گرم اور بھاری سی چیز خود پر محسوس کرکے لحاف سے باہر منہ نکال کر دیکھا تھا۔ "اسے تہہ کرکے رکھ دے۔ گھر میں نیا بستر تو لازمی ہونا چاہیے۔"

"ہماری کٹیا میں کس نے آکر رہنا ہے خالہ! اگر کوئی آبھی گیا' بھولے بھٹکے سے تو ایک بستر تو رکھا ہی ہے۔" وہ اطمینان سے دوبارہ لحاف میں گھس گئی۔

"اگر ایک سے زیادہ مہمان ہوئے تو۔"

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب آرام سے سو جاؤ خالہ!" کومی نے بے زاری سے کہا۔

"نیند آئے تو تو سوؤں گی نا۔" خالہ اس سے بھی زیادہ بے زار تھیں۔

"کیوں؟ اب کیا مصیبت ہے۔ ٹھنڈ کا انتظام تو کر دیا ہے۔" کومی نے ناگواری سے کہا۔

"دل گھبرا رہا ہے۔" خالہ نے ایک اور شگوفہ چھوڑا۔

"تو میں کیا کروں؟ ٹھنڈ کا علاج تو کر دیا ہے۔ اس گھبراتے' اڑی کرتے دل کا کیا کروں؟" کومی کو غصہ آگیا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ خالہ جان بوجھ کر گفتگو کو طول دے رہی ہیں' تاکہ نیند کی رسیا کومی سو ہی نہ جائے۔

"کومی! او کومی۔" خالہ نے دو' تین مرتبہ آواز لگائی تھی' مگر کومی بھی شاید جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھی۔

"ایک تو آنکھ بند کرتے ہی وحشت ہو جاتی ہے' سن تو۔" خالہ نے گویا التجا کی۔

"کیا ہے خالہ! خود تو دن کو لحاف میں دبک کر سوئی رہتی ہو۔ مجھے مرغ کی بانگ کے ساتھ اٹھنا ہوتا ہے' پتا تو ہے تمہیں پھر بھی۔" وہ لمبی لمبی جمائیاں روکتے ناگواری سے بولا۔

"میرا دل پھڑک رہا ہے' ذرا اٹھ کر دیکھ تو۔" خالہ نے لجاجت سے کہا۔

"نہ میں حکیم ہوں' نہ ڈاکٹر تو پھر کیسے سینے کے اندر پھڑکتے دل کو دیکھ کر بتاؤں کہ رات کے اس پہر یہ کیوں پھڑک رہا ہے۔" وہ عاجزی سے بولی۔

"مجھے کچھ کھانے کو دے' شاید بھوک کی وجہ سے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" خالہ نے گھبراہٹ کا اصل متن بیان کر ہی دیا۔

"تمہارا معدہ رات دن نہیں دیکھتا۔ بس مچل جاتا ہے کچھ نہ کچھ کھانے کو۔" کومی کی بے زاری عروج پر پہنچ گئی۔

"چل رہنے دے' خالی پیٹ پہاڑ جتنی رات گزار لوں گی۔" خالہ نے خود پر مظلومیت طاری کرلی۔

"کیا دوں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "انڈہ تو عصر کے وقت کھا لیا تھا آپ نے' پاپے بھی چائے کے ساتھ نوش فرما لیے تھے۔"

"ٹین میں دیکھ نا' میٹھے بسکٹ رکھے ہوں گے۔"

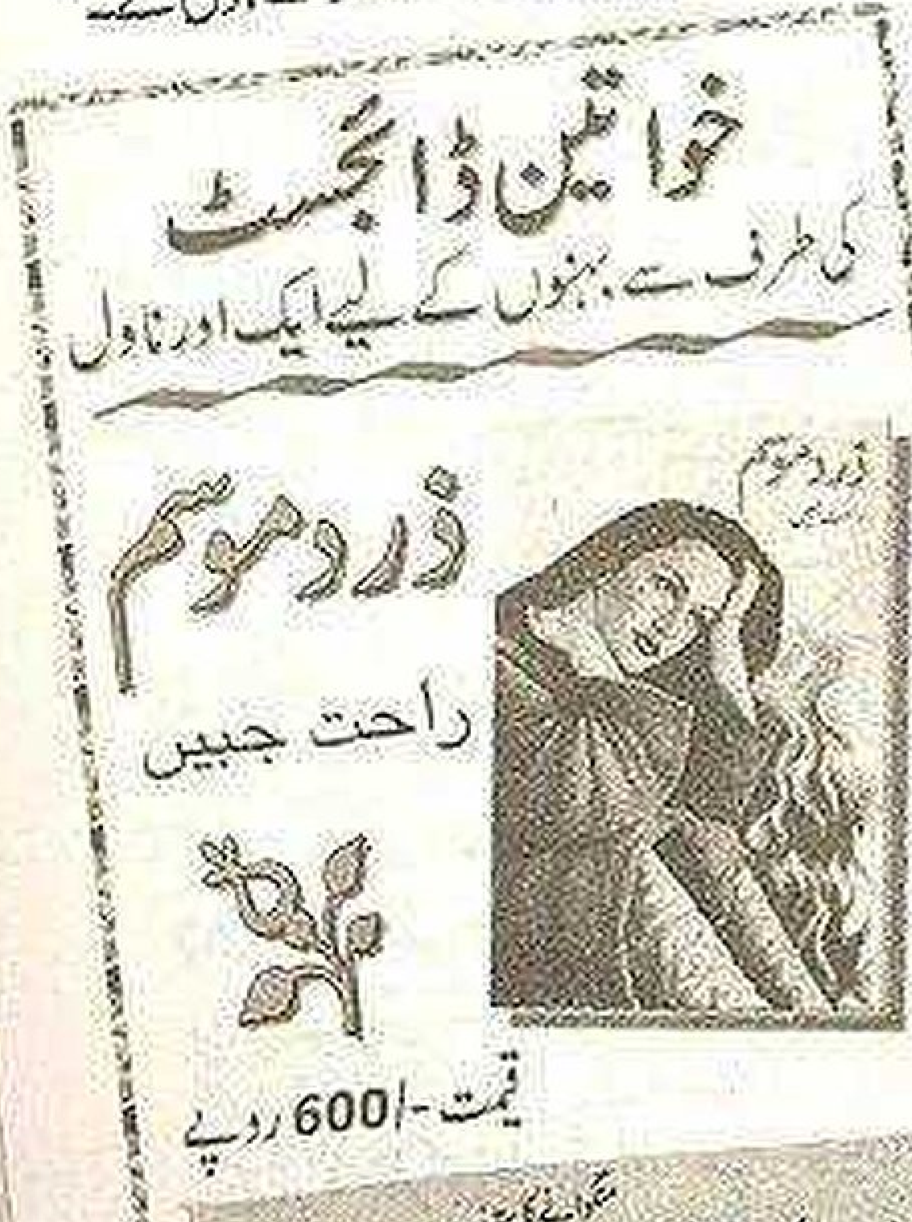

خالہ کی یادداشت کھانے پینے کے معاملے میں غضب کی تھی۔

"دیتی ہوں۔" گرم لحاف سے نکلنا کسی عذاب سے کیا کم تھا۔ مگر خالہ بھی بغیر پروا کیے رات دن اس کی پریڈ کرواتی رہتی تھیں۔ کومی نے ٹین کھول کر اندر جھانکا۔ نمکو اور تھوڑی سی مونگ پھلی بھی رکھی تھی۔ دو عدد دیسی انڈے بھی تھے۔ خالہ کے ناشتے کے لیے اس کی فکر ہلکی ہو چکی تھی۔ ایک پلیٹ میں بسکٹ نکال کر اس نے خالہ کو تھمائے تھے اور پھر خود چارپائی کی طرف بڑھنے لگی تھی، جب خالہ نے مری مری آواز میں کہا۔

"سوکھے بسکٹ حلق میں پھنس جائیں گے کومی۔"

"پانی دوں۔" اس نے جان بوجھ کر جگ اٹھا کر گلاس میں پانی بھرا۔

"ٹھنڈا ٹھار پانی پی کر میں نے مرنا ہے۔" خالہ نے شاید منہ پھلا لیا تھا۔

"تو پھر؟" وہ کلس کر رہ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ خالہ کو چائے کی طلب ستا رہی ہے۔

"مجھے چائے بنا کر دے۔" انہوں نے بچوں کی طرح مچل کر کہا۔

"بغیر چینی کے۔" اس نے گہرا طویل سانس خارج کیا۔ "آپ کے حلق سے میٹھے کے بغیر چائے اتر جائے گی؟"

"تو کیا ہوا۔" خالہ نے اس کے سارے بودے بہانے چٹکی میں اڑا دیے۔ "میٹھے بسکٹ جو ہیں۔"

"بنا دیتی ہوں۔" وہ جلتی بھنتی رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ رسوئی کا دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔ وہ باہر نکلی تو شدید تیز کٹیلی ہوا نے اس کے بدن کو ٹھٹھرا کر رکھ دیا۔ برف روئی کے گالوں کی طرح آسمان سے گر رہی تھی۔ چھوٹا سا صحن جس کی چھوٹی چھوٹی چار دیواری کے پار کا منظر بھی خاموش اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے رسوئی میں گھس گئی۔ دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر آگ جلانے میں اسے ہمیشہ کی طرح وقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لکڑیاں اگرچہ سوکھی ہوئی تھیں۔ تاہم سردی کی شدت کے باعث ان میں موجود نمی کی وجہ سے آگ جلانا مشکل تھا۔ تھوڑا سا تیل ڈالا' تب جا کر آگ روشن ہوئی تھی اور کچھ دیر بعد سکون دینے والی حرارت نے ٹھنڈ کی شدت میں کمی کر دی۔

خالہ کے بڑے سے پسندیدہ پیالے میں چائے ڈال کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو خالہ کو اپنا منتظر پایا۔

"اتنی دیر لگا دی؟" خالہ نے طنزیہ کہا۔ "میں نے سمجھا سے چڑھانے لگی ہو۔"

"تمہیں کے چولہے پر سا کرا رہی ہوں۔ اسی لیے دیر ہو گئی۔" وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگ گئی۔

"اپنے لیے بھی بنا لاتی۔" خالہ چائے کی طرف متوجہ تھیں۔

"مجھے رات بھر جاگ کر پہرہ نہیں دینا۔" وہ رضائی میں دبک گئی تھی۔

"ایک بسکٹ ہی کھا لے۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں کھانا۔"

"سونے لگی ہو؟"

"نہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

"اچھا۔" خالہ بے طرح سے خوش ہو گئیں۔ "ٹھیک ہے' دیر تک باتیں کریں گے۔ یہ موا بڑھاپا آتا بعد میں ہے' نیند پہلے چرا لیتا ہے۔"

"کس قسم کی باتیں۔" کومی پر نیند طاری ہونے لگی تھی۔

"ہر قسم کی۔" خالہ سوچ میں گم ہو گئیں۔ "کومی! دہشت خان کی ماں کو پھر سے ساتواں مہینہ ہے۔" موضوع گفتگو کوشش کے بعد انہوں نے ڈھونڈ ہی لیا تھا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ غنودگی میں بولی گئی۔

"یہاں کی عورتوں کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ دو ماہ بعد بیٹی بھی بچہ جنے گی اور ماں بھی۔ دونوں کا چھلہ آگے پیچھے ہو گا' فتیے منہ۔" خالہ نے آخری بسکٹ چائے میں ڈبویا تھا' مگر بدقسمتی سے وہ چائے میں ہی رہ گیا۔

"ہائے یہ کیا ہوا؟ کیسے نکالوں؟" وہ سخت بدحواس ہو گئیں۔ "کومی! او کومی!" خالہ نے یکے بعد دیگرے کئی آوازیں دیں۔

"کومی! مر گئی ہے کیا' سنتی کیوں نہیں۔" خالہ کو سخت تاؤ آ گیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"دیکھ تو بسکٹ چائے میں ڈوب گیا ہے' اب کیا کروں۔" وہ بے حد غم زدہ تھیں۔ جواب ندارد۔ وہ سچ مچ سو چکی تھی۔

"مجھے اور دے نا۔" خالہ کہنے لگیں۔ "کومی! اے کومی' اٹھتی ہے کہ لگاؤں دو ہاتھ۔" "نہیں شدید غصہ آ گیا۔ ذرا سا جھک کے نیچے سے جوتا اٹھا لیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر دوبارہ رکھ دیا۔ وہ تو لحاف میں دبکی ہوئی تھی۔ انہوں نے دائیں بائیں دیکھا۔ چارپائی کے پاس ان کی لاٹھی پڑی تھی۔ جو ہمیشہ ان کے قریب ہی پڑی رہتی تھی۔ لاٹھی اٹھا کر لحاف کے اوپر دے ماری۔ کومی دہل کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا خالہ؟ ہائے ربا! میرے اوپر کیا گرا۔" وہ بدحواسی کی ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ پھر خالہ کے ہاتھ تک نظر گئی تو گویا سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔

"اب کیا ہے؟" کچی نیند کی سرخی لیے آنکھیں غضب ناک ہو گئیں۔

"یہ پیالے میں بسکٹ گر گیا ہے' کیسے نکالوں؟" انہوں نے معصومیت سے کہتے ہوئے پیالہ آگے کر دیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ تکیے پر سر رکھے دوبارہ لیٹ گئی۔ دماغ ایک دم چکرا کر رہ گیا تھا۔

"اسے کیا کہتے ہیں' جس سے تو حلوہ کھلاتی ہے مجھے اور دلیہ بھی۔" انہوں نے بہت زور ڈالا تھا ذہن پر' مگر کمبخت کا نام یاد ہی نہیں آیا۔

"چمچہ چاہیے؟" کومی چارپائی سے اٹھ گئی۔ جانتی تھی جب تک انہیں مطلوبہ چیز نہ ملی اسی طرح وقفے وقفے سے آواز لگاتی رہیں گی۔ رسوئی کے بجائے اس نے بڑے سے خاکی ڈبے کو کھول کر پلاسٹک کے ڈنر سیٹ کا نیا چمچہ نکال کر دیا۔

"یہ کیوں دیا ہے؟ یہ برتن تو مہمانوں کے لیے ہیں۔" خالہ نے ہمیشہ کی طرح جرح کرنا شروع کر دی۔

"کبھی اپنا کام چلاؤ اس چمچے سے۔" وہ غصے سے پھنکاری۔

"غصہ کیوں کھاتی ہے' سو جانا۔" خالہ نے نرم اور پلپلے سے بسکٹ کو چائے میں سے نکال کر کھا لیا تھا۔ پیالہ بھی خالی کر کے رکھ دیا۔ اب وہ اطمینان سے لیٹ چکی تھیں۔ ان پر اونگھ طاری ہونے لگی تھی۔ تبھی کومی پر بھی احسان عظیم کیا گیا تھا۔ کومی نے جلتے بھنتے کروٹ بدل لی۔

☼ ☼ ☼

نہ جانے رات کے تیسرے پہر کا کون سا وقت تھا۔ جب دروازے پر شدید قسم کی دستک ہوئی۔ یوں لگتا تھا دروازہ کھٹکھٹانے والا اسے توڑنے کے ارادے سے آیا ہے۔

"یہ کون آ گیا؟" وہ دونوں ہی ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" کومی نے پاس رکھا چھوٹا سا ٹائم پیس اٹھا کر وقت دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں دروازہ کھولنے کی۔" خالہ پر شدید خوف طاری تھا۔ "کوئی چور اچکا نہ ہو۔"

"چور' اچکا دیوار پھلانگ کر آتا' یوں دستک تو نہ دیتا' نہ جانے کون ہے۔" کومی خود فکر مند تھی۔

"ڈاکو ہوں گے۔" خالہ کو گویا پکا یقین تھا۔

"ہمارے گھر سے کیا لوٹنا ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"کیوں؟ یہ قیمتی استری' یہ نیا نکور ڈنر سیٹ' تمہارا ٹیم پیس' ساجدہ (کومی کی ماں) کی سلائی مشین' یہ پتیلیاں' دیگچہ' ہائے یہ نیا نکور بستر۔" خالہ نے گھر کی قیمتی چیدہ چیدہ اشیا انگلیوں پر گنوا دیں۔

"ڈاکوؤں کے معیار بدل گئے ہیں خالہ! اب وہ کیش مانگتے ہیں' زیور اور نقدی لیتے ہیں۔" کومی کا دھیان ابھی تک بجتے دروازے کی طرف تھا۔

"باہر اس قدر برف پڑ رہی ہے' کون احمق ہے

www.pkdigest.com

آخر؟ یہ کوئی وقت ہے نرم گرم بستروں سے نکلنے کا۔" وہ مسلسل بول رہی تھی، تاکہ خالہ کا خوف کچھ کم ہو۔

"کوئی مسافر یا پردیسی نہ ہو۔" کومی کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی۔ "میں دیکھتی ہوں۔"

"رک جا کومی!" خالہ پکارتی رہ گئیں، کومی نے چٹخنی گرا دی تھی۔

"اری یہ میری لاٹھی ساتھ لے جا۔"

"میں کسی کو قتل نہیں کر سکتی خالہ!" وہ بجتے دانتوں کو سختی سے ایک دوسرے پہ جمائے کہہ رہی تھی۔

"اور کوئی بے شک تیری گردن مروڑ کر دروازے پر ہی پھینک جائے۔ مجھے تو خبر بھی نہیں ہوگی، بستر پر پڑی چلاتی رہوں گی، لولی لنگڑی ہوں، اٹھ تو سکوں گی نہیں، صبح تک تو ویسے بھی برف میں دفن ہو چکی ہوگی۔ آخری رسومات پر جو پیسے خرچ ہونے ہیں، ان کی تو بچت ہوگی۔" خالہ بڑبڑا رہی تھیں۔ کومی باہر نکل آئی۔ ایک دفعہ پھر کڑا امتحان، آج کی رات تو اس کی اچھی خاصی پریڈ ہوگئی تھی۔ سفید برف نے زمین کا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ آنگن میں لگے پودے تک برف کی چادر میں چھپے ہوئے تھے۔ کونے میں ایک طرف نل لگا تھا، جس کا پانی بھی یقیناً "اس وقت برف ہو رہا تھا۔

وہ ان پہاڑوں کے درمیان زندگی کے بہت سال گزار چکی تھی۔ برف سے اور ان سنگلاخ پہاڑوں سے آج تک کومی کو خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ خود کو ان پہاڑوں کی بیٹی سمجھتی تھی۔ اس کے مزاج میں بھی پتھروں کی سی سختی تھی۔ وادی کے لوگ اس کے منہ لگنے سے کتراتے تھے۔ بچے اسے دیکھ کر گھبرا جاتے۔ سرد علاقے کی باسی کومل بخت یار کا مزاج بھی اس برف کی طرف سرد تھا، ٹھٹھرا دینے والا، لہو تک کو منجمد کر دینے والا، نرم اور گرم جذبات اس پر اثر نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا دل ایک وسیع سرد خانہ تھا۔ جس کے عین وسط میں کسی کی قبر بنائی گئی تھی۔ اس قبر کی نرم مٹی پر اس کے وہ آنسو گرتے تھے جنہیں زمانے کی نظر سے چھپا کر وہ چپکے چپکے بہاتی تھی۔ دروازے پر دستک کی رفتار میں کمی آتی چلی گئی تھی۔ کومی عین دروازے کے سامنے رک چکی تھی۔ اس نے کنڈی پر ہاتھ رکھا تھا اور اپنے مخصوص سرد لہجے اور پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"کون؟"

"یا اللہ! تیرا شکر، کسی انسان کی آواز تو سنائی دی ہے۔" دوسری طرف سے آتی مردانہ آواز میں تشکر کی نمی تھی۔

"کون ہے؟" کومی نے اپنا سوال دہرایا۔

"مسافر۔" بڑی عاجزی کے ساتھ کہا گیا تھا۔

"پناہ چاہیے؟"

"مہربانی ہوگی۔" آواز میں شدید قسم کی کپکپاہٹ تھی۔ "مجھے وہشت خان نے ادھر بھیجا ہے۔" ساتھ وضاحت بھی کی گئی تھی۔ اب کہ کومی سچ مچ چونکی۔

"اچھا۔ اچھا۔" کومی کو گویا بے ساختہ خوشی کے احساس نے چھوا۔ "گیسٹ روم میں ٹھہرو گے؟"

"جی۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"خیل خان۔ سرخیل خان، سبھی خیال خان کے نام سے پکارتے ہیں۔" انکساری کے ساتھ ٹھٹھرتے ہوئے وضاحت کی گئی۔

"ہاں، تو خیل خان! کرایہ کتنا دوگے؟" گیٹ پر کھڑے کھڑے وہ حساب کتاب کرنے لگی تھی۔

"ایک کمرے کا پندرہ سو۔" خیل خان نے قدرے جھنجلا کر کہا۔ "دروازہ تو کھولیے محترمہ۔"

"پندرہ سو کم ہیں، تم روٹی بھی تو ادھر سے کھاؤ گے، اس کے پندرہ سو الگ۔" وہ بھی پکی مینجر تھی۔

"ٹھیک ہے جناب! اندر تو آنے دیں۔" بڑی شائستگی سے درخواست کی گئی تھی۔

"کہاں سے آئے ہو؟" ایک اور سوال۔

"کوہاٹ سے۔"

"کب تک رہو گے؟" انٹرویو کا آغاز ہو چکا تھا۔

"کام پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔"

"کیسا کام؟ کیا شہر میں لنڈا لگاؤ گے؟" اس سے پہلے دو لوگ ایسے رہائش پذیر تھے، جو لنڈے کے کاروبار

سے منسلک تھے۔ وہ اپنا سیزن چکا کر کسی اور شہر روانہ ہو گئے تھے اور کومی کی آمدن کا ذریعہ ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔

"نہیں۔ میں نے شہر سے کچھ فاصلے پر زمین خریدی ہے، گیس اسٹیشن بناؤں گا، کام شروع ہو چکا ہے۔" وہ شاید رو دینے کو تھا، مگر اسے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ انٹرویو دیے بغیر دروازہ نہیں کھلے گا، چاہے وہ سردی کی شدت سے قلفی بنے یا برف کا گولا۔

"گیس اسٹیشن۔" چند لمحے غور و فکر میں ضائع کیے گئے۔ "گاڑیوں میں گیس بھرو گے؟"

"یہی سمجھ لیں۔"

"پہلے کہاں رہتے رہے ہو؟" ایک اور سوال۔

"شہر میں، ہوٹل میں کمرہ بک کروایا تھا۔" خیل خان کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر اس لوہے کے پھاٹک سے دے مارے۔

"کرایہ زیادہ ہوگا نا۔ اسی لیے ادھر کو دوڑے ہو؟" کومی نے طنزیہ کہا۔ "پندرہ سو میں اتنا اچھا ٹھکانا مل جائے تو اور کیا چاہیے۔"

"جی نہیں، یہ جگہ میرے گیس اسٹیشن سے قریب ہے، آنے جانے میں بہت وقت لگتا تھا، اسی لیے یہاں آیا ہوں، آپ کو زحمت دینے کے لیے۔" وہ تلملا کر بولا۔

"نہیں۔ زحمت کیسی۔" کومی شان بے نیازی سے کہا گیا۔ "یہ بتاؤ، چھڑے چھانٹ ہو؟"

"اللہ نہ کرے، پورا خاندان رکھتا ہوں۔" وہ برا مان گیا۔

"کتنے بچے ہیں؟" کومی نے شاید آخری سوال پوچھا تھا۔ اس کی تسلی ہو چکی تھی۔

"بچے؟" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"بہت زیادہ ہیں کیا؟ گننے لگے ہو؟" کومی نے اپنے از لی منہ پھٹ انداز میں جتایا۔

"ایک بھی نہیں۔" خیل خان کو بھی غصہ آگیا۔ "شادی ہوگی تو بچے ہوں گے نا۔" وہ گویا پھٹ پڑا۔

"تمہاری شادی نہیں ہوئی؟" صدمے کے مارے کومی کے منہ سے پھٹی پھٹی آواز نکلی۔

"نہیں۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"اچھا۔" کومی سوچ کر بولی۔ "تم یہاں رہنے کے اہل نہیں ہو سکتے، میں چھڑوں کو کمرہ کرائے پر نہیں دے سکتی۔" اس نے گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

"محترمہ! یہ ظلم مت کیجیے، پلیز، مجھ پر ترس کھائیے، ٹھنڈ میری ہڈیوں کے گودے میں گھس گئی ہے، مجھے یہاں کھڑے کھڑے ایک سو چار بخار ہو گیا ہے۔ شادی نہ ہونا میرا جرم ٹھہرا۔ یہ سراسر میرے والدین کا قصور ہے۔ میں کیسے بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دوں کہ پہلے میرے سر پر سہرا سجائیں، جبکہ میرے بڑے دو میر (دو کزن) دو چاچے دو ماموں ابھی کنوارے بیٹھے ہیں۔" وہ چیختے ہوئے بولا تھا۔ دوسری طرف دبیز خاموشی چھائی تھی۔ سرخیل خان کی کن انگلیوں میں دستک دینے کی طاقت بھی نہیں رہی تھی۔ وہ برف کے ڈھیر پر سر تھام کر بیٹھ گیا۔

کومی سچ مچ واپس آ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ خود ہی واپس چلا جائے گا۔ مایوس ہو کر۔ وہ گرم کمرے میں داخل ہوئی تو خالہ اسے دیکھتے ساتھ ہی پھٹ پڑیں۔

"میں تجھ پر فاتحہ پڑھ کے بیٹھ گئی۔ خوف کے مارے جان نکلی جا رہی تھی میری۔"

"کہ بھانجی کے بعد خالہ کی باری نہ آ جائے۔"

"بک بک نہ کر، یہ بتا، باہر کون تھا؟" خالہ کو یہ ہی جاننے کی بے چینی تھی۔

"وہشت خان نے کرائے دار بھیجا تھا۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"تو وہ کہاں ہے۔" خالہ کی باچھیں کھل گئیں۔

"میں نے بھیج دیا۔"

"نہیں۔ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے۔" خالہ اچھل پڑیں۔ "واپس کیوں بھیجا؟"

"چھڑا چھانٹ تھا، نہ بال نہ بچہ۔" اس نے ہاتھ جھاڑے۔

"ہائے۔ یہ کیا غضب کیا کومی! جا اٹھ بلا کر لا اسے، ہمارا تو چولہا ہی کرائے داروں کے دم سے جلتا ہے۔ دیکھ وہ ابھی کھڑا ہے، دستک کی آواز آ رہی ہے۔" خالہ

www.pkdigest.com

کے کان خوامخواہ بجنے لگے۔ "اٹھ بھی پتر!" اب وہ التجائیں کرنے لگی تھیں۔

"وہ کنوارا ہو رنڈوا ہو' بیاہا ہو' ہمیں اس سے کیا غرض' ہمارا تو چولہا ٹھنڈا پڑا ہے۔ میری دوائی' مہینے کا راشن' ہائے کومی! بیہ تو نے کیا غضب ڈھایا۔ مہینوں بعد تو کوئی ادھر کا رخ کرتا ہے۔" خالہ سچ ہی تو کہہ رہی تھیں۔ ان تلخ حقیقتوں سے نظر بھی تو نہیں چرائی جاسکتی تھی۔ آمدن کا یہ واحد ذریعہ تھا۔ جس کی ابتدا ماں نے کی تھی۔ اماں کے کچھ زیورات تھے' جنہیں بیچ کر ایک ہی قطار میں تین کمرے بنوائے گئے تھے۔ ساتھ ہی ایک غسل خانہ تھا۔ نہ جانے اماں کے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا تھا۔ اپنی بساط کے مطابق یہ چھوٹا سا گیسٹ ہاؤس ان متوسط اور مڈل کلاس مزدور پیشہ لوگوں کے لیے تھا' جو شہر میں نہ تو کسی ہوٹل میں کمرہ بک کرواسکتے تھے اور نہ ہی کسی فرنشڈ گیسٹ ہاؤس میں قیام کرنا افورڈ کرسکتے تھے۔

اس کا گھر شہری حدود کے قریب قریب تھا۔ پہاڑی کے اوپر چھوٹا سا یہ مکان نما گیسٹ ہاؤس بہت سے غریب' سفید پوش چھوٹے پیمانے پر کاروبار کرنے والوں کے لیے کسی محل سرا سے کم نہیں تھا۔ اور ابا' اماں کے جانے کے بعد کومی اور اس کی سگی خالہ کی روزی روٹی کا وسیلہ بھی تھا۔

"کومی! اٹھو بھی' کہیں وہ چلا نہ جائے۔" خالہ کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی۔

"اگر وہ ضرورت کے تحت آیا ہے تو پتر! مجبور تو ہم بھی ہیں۔"

"اب تک تو وہ جاچکا ہوگا۔" کومی کو اپنی بے عقلی پر جی بھر کے تاؤ آیا۔

"ایک دفعہ دیکھ تو سہی۔" خالہ پُرامید تھیں۔ ڈاکوؤں کا خوف ہوا ہوگیا تھا۔ کچھ سوچ کر کومی پھر سے پھاٹک تک چلی آئی۔ بغیر کسی خوف کے اس نے تالا کھول کر باہر جھانکا تھا۔ پھر خود بھی باہر آگئی۔ وہ سامنے ہی تو برف کے ڈھیر پر بیٹھا تھا۔

"اوئے خیل خان! اٹھو۔" وہ اس سے قدرے فاصلے پر کھڑی تنک کر بولی۔

"یہاں بیٹھنے پر بھی پابندی ہے۔" پندرہ منٹ کے ٹھہرا دینے والے انتظار کے بعد اس کی آواز سنائی دی تھی۔ سرخیل خان کو تپ چڑھ گئی۔

"چلو۔" کومی نے اس کا بیگ اٹھالیا تھا۔ وہ دوسرا بیگ اٹھاتے اٹھاتے رک گیا۔ "ادھر لائیے۔"

"اٹھالیتی ہوں۔ پہلے سے ٹھٹھر رہے ہو' گر مت جانا۔" وہ بیگ اٹھائے پھاٹک کھولے اس کے اندر آنے کی منتظر تھی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں' نسلی پٹھان ہوں۔" وہ اکڑ کر بولا۔ "اپنا بوجھ میں خود اٹھاتا ہوں' لائیے ادھر۔" سرخیل خان نے اس کے ہاتھ سے بیگ پکڑلیا۔ کومی شانے اچکا کر چل دی تھی۔ وہ بھی اس کی پیروی میں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں کم از کم اس کے رہنے کی تو کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا کمرہ' دو چارپائیاں جس میں سے ایک پر آنکھوں میں اشتیاق لیے ایک عمر رسیدہ خاتون لیٹی تھیں۔

"یہاں رہنا ہے؟" وہ دہل کر پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر؟" سرخیل خان حیران تھا۔

"خالہ سے ملوانے' جب تک یہ تمہیں دیکھ نہ لیں گی' بچی کھچی رات میں مجھے چین سے نہیں لیٹنے دیتا تھا' انہوں نے۔" وہ وضاحت کررہی تھی۔ سرخیل خان نے سر ہلا دیا تھا۔ خالہ کو شائستگی سے سلام کیا۔ خالہ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ وہ ان کے خلوص اور اپنائیت بھرے انداز سے خوب متاثر ہورہا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس خلوص کا خراج لیا جائے گا یعنی باقی ماندہ رات خالہ کو انٹرویو دینا تھا۔ بھانجی کو نہ جانے کیا اشارہ کیا تھا۔ وہ پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"کتنے بہن' بھائی ہو؟" انٹرویو کا باقاعدہ آغاز ہوچکا تھا۔

"تین بھائی ہیں۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

www.pkdigest.com

"ماں باپ؟"

"الحمد اللہ حیات ہیں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"ہمارا لکڑی کا کاروبار ہے' اس کے علاوہ گیس اسٹیشن ہیں۔ ادھر بھی اسی سلسلے میں آیا ہوں۔"

"ماشاء اللہ۔" خالہ بے ساختہ خوش ہوئیں۔ گیسٹ ہاؤس کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی باحیثیت مہمان آیا تھا' بات تو خوشی کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"خالہ جی! میں سونا چاہتا ہوں۔" وہ سچ مچ رو دینے کو تھا۔ خالہ جی نے سوالوں کے سلسلے کو لمحہ بھر کے لیے منقطع کیا تھا۔ سرخیل خان بار بار چھوٹے سے ٹائم پیس پر وقت دیکھ رہا تھا۔ رات آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی۔ ایک تو شدید سردی' اوپر سے سخت تھکاوٹ' وہ بستر پر گر کے نیند میں گم ہو جانا چاہتا تھا' مگر۔۔۔

اور وہ اس چھوٹے سے گیسٹ ہاؤس کی مینیجر' اونر' ایڈمنسٹریٹر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ کم از کم اسے کمرہ تو دکھا دیتی۔ کمرے کی چابی پکڑا دیتی۔ خالہ جی اس کی پریشانی سے قطعاً" بے نیاز اپنی کہنے میں مصروف تھیں۔

"خالہ جی! وہ خاتون کہاں ہیں؟" جب رہا نہ گیا تو سرخیل خان نے پوچھ ہی لیا۔

"کومی کا پوچھ رہے ہو؟"

"جی۔۔۔"

"میں نے اسے تمہارے لیے چائے بنانے کے لیے کہا ہے۔"

"چائے۔۔۔" سرخیل خان اس مہمان نوازی پر قربان ہو گیا۔ چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اسے تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔ چائے کی خاطر وہ خالہ جی کے تمام سوالوں کے جواب بغیر برا مانے دینے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"ہاں تو میں پوچھ رہی تھی شادی ہوئی تمہاری؟"

"نہیں جی۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔" خالہ جی بے ساختہ خوش ہوئیں۔

"کیا اچھی بات ہے؟"

"یہ ہی کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" خالہ جی نے سادگی سے کہا۔

"جی۔۔۔" سرخیل خان حیران ہوا۔ وہ پوچھنا تو چاہتا تھا' اس میں اتنا خوش ہونے کی کیا بات ہے' مگر لحاظ آڑے آ گیا۔

"لکھنا پڑھنا جانتے ہو؟" ایک اور معصومانہ سا سوال۔

"جی!" سرخیل خان نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکا لیا۔ "جمع تفریق آتی ہے۔"

"وہ تو سوئم اور دوئم جماعت کے بچوں کو بھی آتی ہے۔" خالہ نے برا مان کر کہا اور سرخیل خان نے ہونق پن سے خالہ جان کو دیکھا تھا۔

"اسکول کتنا پڑھے ہو؟"

"بی اے کیا ہے' پھر کاروبار میں لگ گیا تھا۔ مزید پڑھنے کو دل راضی نہیں تھا۔"

"دو دفعہ بی اے کیا ہے؟ چودہ ایک دفعہ پھر چودہ ایک دفعہ۔" خالہ جان نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ ہی سمجھ لیں۔" اس کا انداز جان چھڑوانے والا تھا۔

"کیوں سمجھوں؟ سیدھی طرح کہو بزنس کی کتابیں پڑھی ہیں' مشکل والی۔"

"جی۔۔۔ ای' وہ ہی' جو آپ کہہ رہی ہیں۔" وہ آج برا ہی پھنسا تھا۔ اور یہ چائے کا لارا بھی خالہ جان نے جھوٹا لگا رکھا تھا شاید۔ اتنی دیر میں تو پُر تکلف ڈنر کی ابتدائی تیاری کی جا سکتی تھی۔

"میں سو جاؤں؟" اس نے پھر سے اجازت چاہی۔

"کیوں؟ چائے کون پیئے گا' میں تو اتنا بڑا پیالہ پی چکی ہوں۔" خالہ نے ناراضی سے جتایا۔

"کیا وہ محترمہ سری لنکا سے پتی لینے چلی گئی ہیں؟" وہ عاجزی سے پوچھ رہا تھا۔ اسے ہلکا ہلکا بخار بھی محسوس

ہو رہا تھا۔ یہ بخار تھکاوٹ کی وجہ سے تھا۔ اتنے دن ہو گئے تھے۔ وہ ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ آرام نہیں کر سکا تھا۔ گیس اسٹیشن کا کام برف باری کے آغاز سے پہلے ہی مکمل کر لیا گیا تھا۔ تاہم اس کی رہائش کے لیے کاٹیج تعمیر کیا جا رہا تھا۔ جو خرابیٔ موسم کی وجہ سے رک جا چکا تھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی گیسٹ ہاؤس میں قیام کی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سہولتوں سے مبرا یہ گیسٹ ہاؤس اس کے دفتر سے قریب تھا' اور تیسری وجہ۔۔۔

"پتی بھی ٹین کے ڈبے میں رکھی ہے اور دودھ بھی موجود ہے۔ لے سری لنکا جانے کی اس وقت کیا ضرورت پڑی ہے۔ سری لنکا تو اس وقت بند ہوتی ہے۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

"موا سری لنکا کو صبح دس بجے سے پہلے نہیں کھولتا۔ موا' ہڈ حرام رضائی میں گھسا رہتا ہے۔" ان کے خیال میں سرخیل خان نے دوکان کو انگریزی میں سری لنکا کہا تھا۔ سرخیل خان سمجھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"تو کیوں نہیں رہا ہے۔" خالہ کی نظر بھی بلا کی تیز تھی۔ "چھپے چھپائے تو تب ہی اٹھا جاتا ہے جب بندے کو وہ ہو جاتی ہے۔" وہ عینک درست کرتی ناراضی سے بولیں۔

"کیا ہو جاتی ہے؟" سرخیل خان نے گویا خوب ہی لطف لیا۔

"وہ ہی' جو کومی کو حماد خان سے تھی۔ بلکہ ہے' میری مانتی نہیں۔ ورنہ میں تو چاہتی تھی کومی اپنی زندگی کی اس ڈولتی نیا کو پار لگا لے۔" خالہ کے چہرے پر آن کی آن میں زردیاں چھا گئیں۔ "اسے کیا کہتے ہیں' جو سب کو ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کو' بوڑھوں کو' حتیٰ کہ بڑھیوں کو بھی' ابھی پچھلے مہینے گل بدن کو بھی ہوئی تھی۔ بے شرم پچپن سال کی مسٹنڈی۔ ہک ہا' چڑندے میں مہندی لگوا بیٹھی۔ بتاشے بٹ چکے ہیں اور ایک میری کومی۔"

"خالہ جان! ٹی بی۔" سرخیل خان نے ذہن پر زور ڈال کر ان کی مشکل آسان کی تھی۔

"ٹی بی بچوں' نوجوانوں اور بوڑھوں کو بھی ہو جاتی ہے' مگر یہ کوئی ناقابل علاج مرض نہیں' گل بدن صاحبہ کو مہندی لگانے اور بتاشے بانٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ ڈاکٹر سے رجوع کرتیں۔"

"ارے نہیں۔۔۔ ٹی بی کہاں؟ تجھے نہیں پتا کیا؟ وہ جو فلموں میں بھی لڑکے لڑکی کو ہو جاتی ہے۔" خالہ جان نے گویا اپنا ماتھا پیٹا۔

"کون سی فلم میں؟" وہ مسکراہٹ روکے پوچھ رہا تھا۔

"وہ ہی جو اکشے کمار اور وہ کالی سی لڑکی برف پر لوٹیں لگاتے ہوئے زمانے کو بتا رہے تھے' ہمیں وہ ہو گئی۔" خالہ جان نے یادداشت کے سارے خانے کھنگال ڈالے۔

"سردی لگ گئی ہوگی۔ برف پر لوٹیں لگانے سے تو یہ ہی لگ سکتی ہے یا پھر نمونیہ' جو مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے۔" وہ مسکراہٹ ضبط کرنے کے چکر میں لال بھبھوکا چہرہ لیے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ مگر پھر بھی ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا۔

"خالہ کی معصومیت' سادگی اور محبت کا مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں۔" نہ جانے وہ کب دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"جی!" وہ سر اٹھا کر سامنے کھڑی اکھڑ اکھڑی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"محبت۔۔۔ ہاں پتر! تجھے محبت تو نہیں ہو گئی۔" خالہ بستر سے اس انداز میں اچھلی تھیں یا پھر انہوں نے پہلو ہی اتنے زور سے بدلا تھا کہ بے چاری چارپائی نے چوں چاں کر کے شدید احتجاج کیا۔

"کس سے؟ کیا اس برف سے؟" اس کا سارا دھیان بھاپ اڑاتے مگ کی طرف تھا۔ ابلے ہوئے دو انڈے اور ایک پلیٹ میں بسکٹ بھی تھے۔ سرخیل خان نے کفران نعمت کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"یہ دوسرا انڈہ بھی کھا لو۔" خالہ جی بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔

"شکریہ' میں بس چائے لوں گا۔" وہ ایک انڈہ اور

www.pkdigest.com

تین بسکٹ کھا چکا تھا۔ معدے میں گرمائش پہنچی تو کچھ سکون آیا تھا۔

"مجھے کمرہ دکھا دیجیے۔" یہ کہنے کی سرخیل خان کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چائے کا کپ ابھی رکھا تھا جب منیجر صاحبہ نے اسے باہر آنے کا سگنل دیا تھا۔ وہ اس کی پیروی میں ایک کشادہ صاف ستھرے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ یہ کمرہ شاید خاص قسم کے سیاحوں یا مہمانوں کے لیے تھا۔ دو پلنگ، فرش پر سرخ قالین، ریک میں سجی کتابیں۔۔۔ سنگھار میز، تھری سیٹر صوفہ اور ایک کارنر ٹیبل جس کے اوپر کسی خوش شکل نوجوان کی زندگی سے بھرپور تصویر مسکرا رہی تھی۔

"یہ تمہارا کمرہ ہوا، جب تک رہنا چاہو، آرام سے رہو، البتہ غیر ضروری چھیڑ چھاڑ سے پرہیز کرنا۔" ہدایت نامہ کھل چکا تھا۔ سرخیل خان چھیڑ چھاڑ کی وضاحت چاہتا تھا، تبھی سادگی سے پوچھنے لگا۔

"میں کسے چھیڑوں گا؟" نہ تو یہاں نازک اندام بانزیاں ہیں، نہ ہی مغلیہ دور کی شہزادیاں، ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض کرتا ہوں کہ میں چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کے قبیلے سے نہیں ہوں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں۔" منیجر صاحبہ کو غصہ آگیا۔ "اس کمرے میں یہ الماری ہے، اس میں تم کپڑے نہیں رکھ سکتے، اس کے اندر گھسنے کی کوشش نہ کرنا، کتابوں والے اس ریک کو بھی ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کتابیں ڈیکوریشن کے لیے سجائی ہیں؟" اس نے پھر سے سادگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔" تیکھے انداز میں جواب دیا گیا۔

"اور اس ٹی وی کو بھی ہاتھ لگانا منع ہے؟"

"ٹی وی کو ہاتھ لگانے سے بھلا کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ تو خالی ڈبا ہی سمجھ لو۔ انٹینا گرما کا طوفان لے اڑا تھا۔ پھر لگوانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ویسے بھی ٹی وی سے شغل فرمانے والے اس گیسٹ ہاؤس میں قیام نہیں کرتے، غریب مسکین لوگ یہاں ٹھہرنے کے لیے آتے ہیں اور ایسی سہولیات وہ افورڈ نہیں کرسکتے۔ تم پہلے مہمان ہو جس نے اس کمرے کا تالا کھلوایا ہے۔" نہ جانے کیوں سرخیل خان کو لگا تھا منیجر صاحبہ کے چہرے پر سائے سے لہرائے ہیں۔

"اور یہ صوفہ؟" اس نے پھر سے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ ناگواری سے بولی۔ "اور ایک بات اور بھی سن لو، آج کے علاوہ کل سے جو بھی کھانا پینا یہاں سے ہوگا اس کا الگ سے بل ادا کرو گے۔"

"جی، جانتا ہوں اور کچھ۔" وہ پلنگ پر بیٹھ چکا تھا۔

"ایڈوانس میں ہم ہمیشہ ساری رقم وصول کرتے ہیں۔" وہ ہوس بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"میں آپ کو ساری نہیں، آدھی رقم ادا کروں گا، کیا ابھی کردوں؟"

"نہیں، صبح دے دیجیے گا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"مہربانی جناب کی۔" اس نے شاید طنز کیا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے باہر نکل گئی تھی اور وہ ٹھٹھرتے ہوئے رضائی میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر پھر سے دستک ہوئی۔ اس نے کون سا کنڈی لگانے کی زحمت گوارا کی تھی۔ منیجر صاحبہ کی پھر سے تشریف آوری ہوئی۔ ہاتھ میں کوئلوں سے دہکتی انگیٹھی تھی۔ جو یقیناً ہیٹر کی جگہ استعمال کی جاتی تھی، سرخیل خان نے تشکر سے اسے دیکھا۔

"اس عنایت کا شکریہ۔"

"شکریہ قبول کرلیتی ہوں۔" وہ اپنے سدا کے بے نیاز لہجے میں بولی۔ "تاہم ایک بات اور واضح کردوں، لکڑی سرما میں اور برف باری کے دنوں میں بہت مہنگی ہوجاتی ہے اسی لیے۔"

"آپ فکرمند نہ ہوں، میرے یہاں قیام کے دوران آپ کو لکڑی خریدنے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس بستی کے اس سب سے بڑے پرابلم سے اچھی طرح سے آگاہ تھا۔ ان دنوں تو لکڑی سونے کے بھاؤ

www.pkdigest.com

گویا بکی جاتی تھی۔

"کوہاٹ سے منگوا کر دو گے؟" اس نے شاید طنز کیا تھا۔

"نہیں، لکڑی کی قیمت ادا کروں گا۔"

"ہم کو یہ گوارا نہیں۔"

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"تمہاری خیرات کے کچھ اور لوگ مستحق ہوسکتے ہیں، مگر ہم نہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔ "جو لکڑی اس انگیٹھی میں تمہارے لیے استعمال کی جائے گی، تم صرف اسی کے پیسے دو گے۔" اس نے گویا وارننگ دی تھی۔

"ٹھیک ہے جناب۔" وہ عاجزی سے بولا۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ پلٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کومل کے ابا بختیار خان کا کسی زمانے میں بادام کا بڑا چلتا کاروبار تھا۔ گھر میں خوش حالی تھی، کنبہ مختصر تھا، اماں اور ابا کی محبت بھی مثالی تھی، ابا نے کبھی اماں کی کسی بات کو رد نہیں کیا تھا۔ اماں کی ہر خواہش کو اولیت دی۔ اماں کا کہا کبھی نہیں ٹالا۔ یہی وجہ تھی جب اماں کی چھوٹی بہن بیوگی کے بعد بے آسرا ہوگئیں تو اماں انہیں اپنے گھر لے آئیں۔ اور یہیں سے گویا برے دنوں کا آغاز ہوگیا تھا۔ ابا کو کسی دشمن نے نشے کی بری لت لگا دی تھی۔ دھیرے دھیرے یہ نشہ ابا کو دیمک کی طرح چاٹ گیا۔ کاروبار تباہ ہوا تو نوبت فاقوں تک آگئی۔ اماں کی دوراندیشی کے تحت گھر کا چولہا جل پڑا تھا۔ خالہ کو بس ہمیشہ ایک قلق رہا کہ اس گھر میں انہوں نے بھوک ہی دیکھی۔

ابا کو غلط صحبت نے خاندان بھر سے اور بستی والوں سے دور کردیا تھا۔ بھوک اور افلاس نے مت مار کے رکھ دی تھی۔ سننے میں آیا تھا ابا کا سارا کاروبار قرضوں میں ڈوب گیا۔ ابا رنگین مزاج تھے۔ خالہ بتاتی تھیں کہ کاروبار بھی اسی لیے ڈوبا کہ ابا کسی عورت کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ اس عورت کی بے وفائی نے ابا کو نشے کی چاٹ لگا دی اور ادھر اماں سوت کے غم کو سہار نہ سکیں اور چل بسیں۔ کومل اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ خالہ نے اپنی آغوش میں اسے ہمیشہ کے لیے چھپا لیا تھا۔ ان دنوں حماد خان پنڈی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ خالہ نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کے حماد خان کو پڑھایا لکھایا تھا۔ دن رات اجرت پر کپڑے سیے، اماں نے بھی خالہ کا بہت ساتھ دیا تھا۔ حماد خان ان دو عورتوں کا خواب تھا جو اس تیسری عورت کی آنکھ میں آن بسا۔

گھر کے حالات دن بہ دن بگڑتے جارہے تھے۔ حتیٰ کہ ضرورت کی بے شمار چیزیں پیٹ کے دوزخ کو بجھانے کے لیے اماں نے چپکے چپکے بیچ دی تھیں۔ ابا کو گھر تو کیا اپنا بھی ہوش نہیں تھا اور خالہ اکثر کہتی تھیں۔ "بدبختی پھیرا مارے تو اسی طرح ہوش مند انسان عقل کھو دیتا ہے۔ زندگی بھر میری بہن کو ترسایا، جب وقت نے کروٹ بدلی، خوش حالی کے دن آئے تو خود ہی اپنے ہاتھوں سے لٹا کر بیٹھ گیا۔"

کومل کو بدلتے حالات نے بہت مضبوط کردیا تھا۔ اماں اور ابا کے بعد معذور خالہ کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ سارا معاشی بوجھ اس کے کندھوں پر آپڑا تھا۔ وہ وادی کے واحد پرائمری اسکول میں جماعت پنجم کو پڑھاتی تھی۔ تنخواہ اگرچہ مختصر تھی۔ تاہم ان دو خواتین کا گزارہ مشکل ضرور تھا۔ مگر ناممکن نہیں۔ خالہ کی بیماری اور علاج پر کافی رقم اٹھ گئی تھی۔ اب تو خیر سے خالہ صحت مند تھیں۔ لاٹھی سے چلتی پھرتی بھی تھیں۔ چھوٹی موٹی تکلیفیں تو زندگی کی ساتھی ہوتی ہیں۔ وقت سبک خرامی سے گزر رہا تھا۔ بیتے وقت کے سمندر میں تلاطم آیا تو کب؟ سرما کی اس رات جب آسمان برف برسا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح کے شاید آٹھ بجے تھے، جب دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ اسے بستر کو چھوڑنا نہیں پڑا تھا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا تھا۔ وہ ٹرے میں ناشتے کے

لوازمات رکھے اندر داخل ہوئی۔
"صبح بخیر۔"
"بخیر۔" وہ بھاری آواز میں بمشکل بولا۔
"ابھی تک بستر میں پڑے ہو، خیریت؟" خیریت پوچھنے کا بھی اپنا ہی اسٹائل تھا محترمہ کا شاید۔
"بخار ہے۔"
"اچھا۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "طبیعت ٹھیک نہیں؟ دوائی چاہیے؟" وہ ہی لٹھ مار انداز۔
"نہیں۔" سرخیل خان آنکھیں دبا رہا تھا۔
"کیوں؟"
"میرے پاس ٹیبلٹس ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں تو ہلکی غذا چاہیے ہوگی۔"
کومی پھر سے سوچ میں پڑ گئی۔
"آپ کیا لائی ہیں؟"
"پراٹھے، انڈے اور چائے۔" اس نے ٹرے پھر سے اٹھائی۔ "میں کچھ اور لے آتی ہوں۔"
"کیا لائیں گی؟"
"رسک ٹھیک رہیں گے۔" وہ پھر سے سوچنے لگی۔
"نہیں بس۔ میں نے کبھی رسک نہیں کھائے۔"
"تو پھر دلیہ۔"
"نا جی نا، دلیہ بھی نہیں۔" خان نے منہ بنا کر کہا، گویا کسی کڑوی دوا کو چبا لیا ہو۔
"کھچڑی بنا دوں؟" وہ اپنے کچن میں رکھی چیزوں کے حساب سے کہہ رہی تھی۔
"کھچڑی؟ مونگ کی دال کی، میں نے کبھی نہیں کھائی۔ ہمارے گھر مونگ کی دال نہیں پکتی۔ ہم تینوں بھائیوں کو پسند نہیں۔" وہ سخت بے زار ہو گیا تھا۔
"پردیس میں نخرے نہیں کرتے۔" کومی کو غصہ آگیا۔ "جو کھانا ہے، بتا دو، اور جو آئندہ کھانا پسند کرو گے۔ اس کی لسٹ بھی بنا دو۔ ایڈوانس بھی دے دینا، وحشت خان شہر سے لا دے گا سامان۔"
"میں اس وقت سوپ پینا چاہتا ہوں، نگین بہت اچھا بناتی ہے، اور بخار میں ہمیشہ میں سوپ پینا پسند کرتا ہوں۔"

"نگین کو ساتھ لے آتے۔" کومی غصہ پیتے ہوئے بولی تھی۔
"کیا تمہیں سوپ بنانا نہیں آتا؟" وہ روانی میں آپ سے تم پر آگیا تھا۔ "مجھے چکن کارن سوپ بنا دو، پلیز! آ۔" وہ لجاجت سے بولا۔
"میرے باپ کا پولٹری فارم ہے نا۔ چکن کارن سوپ بنا دو ہونہہ۔" لحاظ اور مروت تو کومی کو چھو کے نہیں گزری تھی۔
"چکن نہیں، سبزیاں تو ہوں گی۔ ویجی ٹیبل سوپ بھی چلے گا۔" اس نے پھر سے گویا التجا کی۔
"سبزیوں کے کھیت نہیں ہیں میرے۔ نا ہی رنگ رنگ کی سبزیاں گھر میں موجود ہیں۔ دلیہ لے آتی ہوں، کھانا چاہو تو شوق سے، ورنہ میری بلا سے بھوکے رہو۔" کومی جل بھن کر رہ گئی۔
"آلو تو موجود ہوں گے۔" اس نے بھی ہار کبھی نہیں مانی تھی۔
"ہاں۔ وہ پڑے ہیں، ٹوکری میں۔" وہ تاؤ کھا کر بولی۔ "مگر مجھے سوپ ووپ نہیں بنانا آتا۔"
"ترکیب میں بتاتا ہوں۔" سرخیل خان بے ساختہ خوش ہو گیا۔
"تمہیں بنانا آتا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔
"اس میں مشکل کیا ہے۔" سرخیل خان نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ محترمہ مانی تو ہیں۔
پھر اس نے رسان سے سوپ بنانے کی ترکیب بتائی۔
"یہ بڑا آسان طریقہ ہے۔" کومی پلٹتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ "ہونہہ، یہ بڑے لوگ نہ جانے کیا کیا کھاتے ہیں۔"
"مینیجر صاحبہ! اپنا نام بتانا پسند کریں گی؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھنے کی جسارت کی تھی کہ محترمہ کا مزاج بدلتے لمحہ بھر کی دیر نہیں لگتی تھی۔
"کومی۔"
"جی۔ یہ کیا نام ہوا؟ کورمہ یا کومہ نہیں کہہ سکتے؟" وہ معصومیت سے بولا۔ "فل اسٹاپ بھی

ہو سکتا ہے۔"
"کومل بختیار نام ہے میرا، مگر اس نام سے بستی والے واقف نہیں۔ سب کومی کہتے ہیں۔" وہ ہی لٹھ مار انداز۔
"نک نیم ہوگا، لاڈ کا نام۔" سرخیل خان خوامخواہ مسکرایا۔
"یہ ہی سمجھ لیں۔ لاڈ کا نام ہے، یہاں اصل نام کو بگاڑ کر بلانا ہی لاڈ کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سرخیل خان کا بخار تو اتر چکا تھا۔ مگر اس نے دوسرے دن اور تیسرے دن بھی اپنے کام سے چھٹی کرلی تھی۔ اس دن کومی کپڑے دھو رہی تھی۔ جھٹ پٹ کپڑے دھونے اور سکھانے والی مشین بھی اس نے کمیٹی ڈال کر ابھی دو سال پہلے ہی خریدی تھی۔ پروف باری کے موسم میں یہ مشین بڑی فائدہ مند تھی۔
آج سے پہلے اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کرنے والے جتنے لوگ بھی آئے تھے وہ صرف ہفتہ دو ہفتہ کے لیے ٹھہرتے تھے۔ اس دوران انہوں نے کبھی کپڑے دھلوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کچھ تو خود ہی دھو لیتے تھے اور زیادہ ایک ہی سوٹ میں گزارہ کر لیتے کہ کپڑے دھلوانے کے الگ سے پیسے افورڈ کرنا ممکن ہی کہاں تھا۔ نچلے طبقے کے چھوٹے کاروبار سے منسلک لوگ ایسی عیاشیاں پردیس میں اپنا معمول بنالیں تو کمائیں اور کھائیں کیا؟
یہ گیسٹ ہاؤس کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا۔ جب پہلے، دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی سرخیل خان اپنے کپڑے اٹھا کر لے آیا۔
"یہ کیا ہے؟" کومی نے بغیر دیکھے پوچھا۔
"میرے کپڑے ہیں۔"
"تمہیں کیا کرنا ہے؟" وہ چادروں پر برش رگڑ رہی تھی۔

"دھونا ہے۔" معصومیت سے کہا گیا۔
"یہاں رکھ دو۔" اس نے ایک خالی ٹب اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ "گھر میں تمہارے کپڑے کون دھوتا ہے؟"
"گل بدن۔" وہ اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔
"یہ کون ہے؟" کومی نے ایسے ہی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے پوچھ لیا۔
"ملازمہ۔" اسے ایک قمیص کی جیب میں سے آئی ڈی کارڈ مل ہی گیا تھا۔
"تمہارے گھر میں نوکر ہیں؟"
"جی۔ تین، چار ہیں۔"
"پھر بھی اپنی بہن سے۔ کام کرواتے ہو؟" کومی لمحہ بھر کے لیے کہیں کھو سی گئی تھی۔
"نگین میری بہن نہیں ہے۔"
"تو پھر کیا ہے؟" کومی نے سادگی سے پوچھا۔
"کزن ہے اور۔" سرخیل خان سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اسے بتائے یا نہ بتائے۔
"اور کیا؟" وہ اپنا کام روک کر پوچھ رہی تھی۔
"منگیتر بھی تھی اور اب۔"
"اچھا۔ اچھا۔" کومی کو بہت خوشی محسوس ہوئی۔
"مبارک ہو۔"
"کس بات کی؟"
"منگنی کی۔" وہ پھر سے لپ جھپ کپڑے کھنگالنے لگی۔
"منگنی بہت پرانی ہے، بچپن کی، یا اس سے بھی پہلے کی۔" سرخیل خان نے وضاحت کی۔
"ہمارے ہاں بھی بچپن میں رشتے پکے کر دیے جاتے ہیں۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ "خود میرا بھی رشتہ بچپن میں طے کر دیا گیا تھا۔"
"جانتا ہوں۔" ایک معمول کی طرح اس کے لبوں سے بر آمد ہوا۔
"کیا جانتے ہو؟" وہ تیکھے انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"یہ ہی کہ ہمارے ہاں بچپن کی منگنیوں کا رواج ہے۔" سرخیل خان نے گڑبڑا کر وضاحت کی۔

www.pkdigest.com

"کچھ غلط بول رہی نہیں؟" اب وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی غرض سے پوچھ رہا تھا۔

"اس میں کیا برائی ہے۔" کومی لاپروائی سے بولی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ یکدم کومی نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"اور یہ آپ مجھے آنکھیں پھاڑے دیکھے کیوں جا رہے ہیں؟"

"میں کب دیکھ رہا ہوں۔" وہ سٹپٹایا۔ "ایسا الزام یعنی آنکھیں پھاڑ کے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔"

"کون سا کام؟" معصومیت سے پوچھا گیا۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں۔" اسے پھر سے تپ چڑھی۔

"تو اور کون بتائے گا؟ گھر تو آپ کا ہے۔" اس نے سادگی سے جتایا۔

"تم اپنا کوئی کام کرو' وہ جو ڈبا (لیپ ٹاپ) ساتھ لائے ہو۔ اسی کے ساتھ لگے رہو۔ جاؤ یہاں سے۔"

"میں تو آپ سے لنچ کا پوچھنے آیا تھا۔" بہت سوچ و بچار کے بعد اسے یاد آگیا تھا کہ وہ کس کام کے سلسلے میں آیا ہے۔

"لنچ' ڈنر سب ملے گا۔ مگر اپنے وقت پر' زیادہ بھوک کا شور مچایا تو شہر کا راستہ دکھاؤں گی۔" اس نے گویا وارننگ دی۔

"شہر کے راستے سے میں انجان نہیں ہوں۔ روز آتا جاتا ہوں' اب بھی شہر ہی جا رہا ہوں' تم نے کچھ منگوانا ہے؟" وہ اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہم نے کچھ نہیں منگوانا۔ اگر کچھ چاہیے ہوگا تو وحشت خان سے کہیں گے۔" کومی نے ناک چڑھا کر جتایا۔

"بہت بولتے ہو تم۔"

"مگر تم سے کم۔" وہ مزے سے بالٹی اٹھا کر برآمدے میں لگی الگنی پر کپڑے پھیلانے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ چیخی۔

"نظر نہیں آرہا کیا؟"

"چھوڑو' میں کرلوں گی' ہٹو پیچھے۔" کومی چلاتی رہ گئی۔

"میں تمہاری ہیلپ کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں میری ہیلپ کرنے کے لیے آئے ہو' اور کوئی کام نہیں تمہیں؟" وہ کام ختم کرچکی تھی۔ اب پھیلاوا اسمیٹ رہی تھی۔ "یہ جو تمہارا کاروبار ہے نا' بس ڈوبا ہی سمجھو۔"

"بھلا کیسے؟" سرخیل خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں۔ اگر نگرانی نہیں کرو گے تو مینیجر فراڈ کرکے بھاگ جائے گا۔" کومی اسے وارن کررہی تھی۔

"مینیجر ایسی جرأت نہیں کرسکتا۔" وہ اپنے گیلے ہاتھ تولیے سے پونچھ رہا تھا۔

"اب جا بھی چکو۔" کومی زچ ہو اٹھی۔

"جا رہا ہوں۔ میری آفر بھی برقرار ہے ابھی تک۔"

"کیسی آفر؟" کومی بھول بھی چکی تھی۔

"کچن کے لیے کچھ منگوانا ہے؟"

"نہیں۔" وہ رکھائی سے بولتے ہوئے خالہ کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

"خود ہی لے آؤں گا' اندازے سے۔" سرخیل خان زیر لب بڑبڑایا' اور کچن کے سامان کی لسٹ ذہن میں ترتیب دینے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

نہ جانے کون سی بوٹی خالہ کو اس نے سنگھا دی تھی۔ وہ تو سرخیل خان کے گیت گاتے نہیں تھکتی تھیں۔ کومی کے منع کرنے کے باوجود وہ خالہ کے لیے طاقت کی دوائیں' پھل اور نہ جانے کیا کچھ اٹھا لاتا تھا۔ ایک دن خالہ کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر شہر لے گیا۔ ان کا چیک اپ کروایا۔ کپڑے لے کر دیے' گرم جرسی' شال' اونی سوٹ' خالہ کو سیر بھی کروائی' نہ جانے کدھر کدھر گھماتا رہا تھا۔ کومی کی سمجھ سے یہ عنایات تو بالاتر تھیں۔ خالہ گھر آئیں تو کومی پھٹ ہی پڑی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر کیوں اس نواب زادے کے ساتھ گئی تھیں۔"

"وہ مجھے خود ساتھ لے کر گیا تھا۔" خالہ لاپروائی سے بولیں۔ "کومی! کسی دن تم بھی شہر کو دیکھ آنا۔ ہائے' یہ اونچی اونچی عمارتیں اور دکانیں۔"

"وہ ہمیں ان احسانات کے بوجھ میں دبا لینا چاہتا ہے۔ اور ابھی تک اس کے مقاصد واضح نہیں ہورہے۔" کومی تو اس کی آمد کے کچھ دن بعد ہی مشکوک ہوگئی تھی۔

"خوامخواہ شک میں پڑ رہی ہو۔ خیل خان بڑے دل والا' نیک طبیعت بچہ ہے۔" خالہ کی نظر میں بھی کم کم ہی کوئی جچتا تھا۔

"خالہ! وہ ہمارے لیے ایک مہمان ہے۔ اسے مہمان ہی سمجھو' چند دن بعد چلا جائے گا۔ اس سے دل کے رشتے گانٹھنے مت بیٹھ جاؤ۔" وہ کافی دیر سے خالہ کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

"وہ میرے لیے اپنے پتر جیسا ہے۔"

"پتر جیسا ہے' مگر پتر نہیں۔ یہ بات تمہیں کون سمجھائے خالہ!" وہ نشتر میں آنٹا ڈال رہی تھی' جو خالہ کا لاڈلا لگا کر گیا تھا۔

"اس مہمان خانے میں سینکڑوں آئے اور چلے گئے۔ کسی نے کب احساس اور انسانیت کا رشتہ جوڑا تھا۔ سب اپنے غموں' فکروں اور تلاش معاش کے چکروں میں خود کو بھی بھولے ہوئے تھے۔ سو میں سے کوئی ایک سرخیل خان جیسا ہوتا ہے۔" خالہ کے لبوں سے گویا شہد ٹپک رہا تھا۔ "رب سوہنا اسے لمبی حیاتی دے۔" خالہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"ہر ایک کے لیے جذباتی ہو جایا کرو خالہ!" وہ بے زاری سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ گئی۔

آج سر شام ہی سرخیل خان گھر آگیا تھا' ہاتھ میں شاپر پکڑ رکھے تھے۔ سیدھا کچن میں چلا آیا۔

"محترمہ! آج کیا پکانے کا ارادہ ہے؟"

"گوبھی گوشت پکایا ہے۔" وہ روٹیاں بنا رہی تھی' مصروف سے انداز میں بولی۔

"میرے لیے روٹی مت بنانا۔" شاپر لکڑی کے میز پر رکھے خود وہ پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟ آج فاقہ کرو گے؟"

"نہیں' پاستا کھاؤں گا اور تمہیں بھی کھلاؤں گا۔" وہ شاپر میں سے مختلف چیزیں نکال کر میز پر سجانے لگا۔

"میں خالہ کو روٹی دے آؤں۔ اس کو بنانے کا کام خود کرلینا' نہ جانے کیا کیا اٹھا کے لے آتے ہو۔" کومی نے یہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"خالہ کو روٹی کھلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی پاستا کھائیں گی۔" سرخیل خان نے اس کے ہاتھ سے رومال میں لپٹی روٹیاں پکڑ لیں۔

"خالہ کو الم غلم کھلانے کے بعد پھر اسپتال لے کر چل پڑنا۔"

"یہ قطعاً بے ضرر ڈش ہے۔" وہ مسکرایا۔ "آپ بھی چکھ سکتی ہیں۔"

اس نے پاستا ابال لیے۔

"شکریہ۔" کومی ابلے ہوئے پاستا کو دیگچی میں ڈال کر مکس کرنے کے بعد ڈونگے میں نکالنے لگی۔

"اب کچھ دیر بعد چائے بھی بنا لانا۔ میں خالہ جی کے کمرے میں ہوں۔" وہ ڈونگا اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"گوبھی گوشت کھاتے ہوئے ہمیں کوسنے کی کوشش مت کیجئے گا۔ آفر برقرار ہے' آپ بھی پاستا کھا سکتی ہیں۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں۔" کومی انگیٹھی میں دہکتے کوئلے رکھ رہی تھی۔ "جی چاہ رہا ہے ایک کوئلہ تمہاری زبان پر بھی رکھ دوں۔ کچھ اور ذائقہ بھی چکھنا چاہیے تمہیں۔"

"ہماری زبان ہر قسم کے ذائقے سے آشنا ہے اور دل بھی۔ آج کل کچھ نئے نئے انکشافات بھی رونما ہورہے ہیں۔" وہ پھر سے مسکرایا۔

"کہاں؟" کومی نے ہونق پن سے پوچھا۔

"یہاں۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے بڑی نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ ان نگاہوں کے مفہوم سے اچھی طرح آگاہ تھی۔

www.pkdigest.com

"سرخیل خان! اپنی حد میں رہا کرو' لحاظ کرتی ہوں تمہارا' مہمان سمجھ کر' تم یہاں رہتے ہو' اور معاوضہ دیتے ہو' ہمارے گھر کا چولہا اسی طرح جلتا ہے' اللہ نے روزی روٹی کے وسیلے بنا رکھے ہیں۔ غریبوں اور مجبور لوگوں کی بے بسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔" کومی یک دم مشتعل ہو گئی۔

"بہ خدا آپ کو ہرٹ کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف اپنے احساسات شیئر کرنا چاہ رہا تھا آپ سے۔" وہ بھی پریشان سا ہو اٹھا۔

"کیا لگتی ہوں میں تمہاری' خوامخواہ میرے ساتھ بے تکلف ہونا چاہتے ہو' تم مجھے جانتے نہیں' میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں' ظاہری چمک دمک سے متاثر ہونے والی۔" کومی چیخ کر رہ گئی۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو کومل! اور میں تمہارے ساتھ دوستی' انسانیت اور ہمدردی کا تعلق نہیں بنانا چاہتا' کیونکہ میرے دل میں تمہارا الگ مقام ہے' الگ حیثیت ہے۔" وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' سچ کہہ رہا تھا' مگر اس سچائی کو کومل بختیار سمجھنے کی حدود سے بہت آگے نکل چکی تھی۔

"اپنی حد میں رہو سرخیل خان۔" وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑی ہو گئی۔

"اور میری حد کیا ہے؟" اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔

"وہ مہمان خانہ اور اس کا سب سے بہترین کمرہ' یہ نہ ہو کہ میں تمہیں اس گھر سے نکال دوں' سامان سمیت' شہر میں سینکڑوں گیسٹ ہاؤس ہیں' کہیں بھی قیام کر لینا۔" کومی آگ بگولا ہو اٹھی۔

"اور میں سینکڑوں ہوٹلز اور ریسٹ ہاؤس' فرنشڈ بیڈ رومز چھوڑے یہاں کیوں آیا ہوں' کبھی سوچا ہے تم نے کومل بختیار۔" سرخیل خان کی آنکھوں میں لالی گہری ہوتی چلی گئی۔

"کیوں آئے ہو؟" وہ سر سے پیر تک برف ہو گئی تھی۔

"تمہارے لیے۔" سرخیل خان اطمینان سے بولا۔

"تم جانتے ہو' میں کون ہوں۔" برف میں شگاف ہوا۔ وہ تڑختے ہوئے کہہ رہی تھی۔ چیختے ہوئے بول رہی تھی۔ "میں کون ہوں' سرخیل خان!" وہ چلائی۔

"حماد خان کی بیوہ۔" سرخیل خان بدرنگ دیوار پر بنے عکس دیکھ رہا تھا۔ مٹیالے' ادھورے اور اپاہج عکس۔

"اور تم کون ہو؟" کومی دہاڑی۔

"حماد خان کا اکلوتا دوست' ہم پنڈی میں آٹھ سال اکٹھے رہے ہیں' حماد خان نے تمہیں نہیں بتایا ہوگا' تمہارا اور اس کا ساتھ بہت مختصر رہا ہے' صرف تین دن اور تین راتوں پر مشتمل۔"

"تم میرے زخم کیوں ادھیڑ رہے ہو۔" وہ دم بخود تھی' ششدر تھی۔ "تم کیوں آئے ہو؟"

"میں تمہارے دل پر لگے ان زخموں کی مسیحائی کرنے آیا ہوں' مجھے غلط مت سمجھو۔"

"مجھے کسی مسیحا کی مسیحائی کی ضرورت نہیں۔" وہ چلائی۔

"میری بات تحمل سے سننا' یہ کچھ سال پہلے کی بات ہے' تب میں امریکہ میں اپنے بھائی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ میں نے حماد خان کو خواب میں دیکھا' بار بار دیکھا اور نہ جانے کتنے ہزار بار دیکھا' یہ خواب اور اس کا تسلسل پاکستان آنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ خواب میں مجھے ہمیشہ وہ پریشان نظر آتا تھا۔ بے چین' کھویا کھویا' وہ بار بار مجھے پکارتا تھا۔ اور نہ جانے پورب کی طرف دیکھ کر کیا اشارہ کرتا۔ پھر مجھے برف پر بیٹھی ایک لڑکی دکھائی دینے لگی۔ حماد خان پھر سے میرے قریب آ جاتا تھا۔ اور وہ برف پر بیٹھی اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتا اور مجھے اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ کہتا تھا اس لڑکی کا خیال رکھنا خیل خان! یہ میرا دل ہے اور میرا دل اس وقت زخم زخم ہے' میری ہی یاد سے۔ میں نے اس خواب کا ذکر اپنے بھائی سے کیا' گل شیر نے بڑی سنجیدگی سے میرے خواب کو سنا تھا۔ پھر اسی نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے حماد خان کی بیوہ اور اس کی ماں سے

ضرور ملنا چاہیے۔ انہیں شاید میری ضرورت ہو اور میں یہاں آ گیا۔"

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے لفظ لفظ سے سچائی پھوٹ رہی تھی' جبکہ سامنے کھڑی کومل بختیار گویا پتھر ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"خیل خان! او خاناں اور جاناں' اٹھو نا' اٹھ بھی جا' تمہارا مہمان آیا ہے پنڈی سے۔" نگین اسے پکارتی بلکہ دہاڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ کئی مرتبہ ملازمہ اسے جگانے کی ناکام کوشش کے بعد منہ بناتی لوٹ گئی تھی۔

"خیل خان! کیا بھنگ پی کر سوئے ہو۔" اس نے بھنا کر کمبل کھینچا۔ "اٹھو' ورنہ یہ پانی کا جگ تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔"

"کیا ہے؟" وہ نیند میں دھت تھا۔

"پنڈی سے مہمان آیا ہے۔" نگین اسے لحاف میں منہ گھسیڑتے دیکھ کر دونوں ہاتھوں میں اس کے بال دبوچے زور سے بولی۔

"بیٹھک میں بٹھاؤ اسے' کہاں ہے سورج خان؟" وہ بھاری آواز میں بمشکل بولا۔

"سورج خان غروب ہو چکا ہے' ابا جان کے ساتھ مہمان کو بیٹھک میں بٹھا دیا ہے۔" نگین ابھی تک اس کے بال دبوچے کھڑی تھی۔

"کون منہ اٹھا کر آ گیا ہے سویرے سویرے۔" وہ غصے سے بھنایا۔ نیند پوری نہیں ہو سکی تھی' اسی لیے طبیعت سخت بے زار تھی۔ "نام نہیں پوچھا۔"

"حماد خان۔" نگین نے اطمینان سے بتایا۔

"حماد آیا ہے' تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ اسپرنگ کی طرح پلنگ سے اچھل پڑا۔

"قمیص کہاں ہے میری؟"

"رات کو اتار کر کہاں رکھی تھی۔" نگین نے کمبل تہہ کرتے ہوئے طنز کیا۔ وہ پلنگ کے نیچے' صوفوں کے نیچے اور الماری تک دیکھ آیا تھا۔

"واش روم میں لٹکی ہوگی۔"

"وہاں بھی نہیں۔" وہ سوچ میں گم تھا۔

"کوئی اور پہن لو۔" نگین نے مشورہ دیا۔ "بلکہ نہا لو' ڈھنگ کا حلیہ بنا کر ملنا مہمان سے' پوستی نہ ہو تو۔"

"تم بھی کبھی کبھی کام کا مشورہ دیتی ہو' ذرا اس شلوار قمیص پر استری پھیرو' میں دو منٹ میں آیا۔" وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ نگین سر ہلا کر کپڑے پریس کرنے لگی۔ ابھی صرف قمیص پریس ہوئی تھی جب وہ باہر نکل بھی آیا۔

"نگی! تو تو صرف اناج کی دشمن ہے' ایک سوٹ استری نہیں ہو سکا۔"

"دس منٹ کا کہہ کر گئے تھے۔ سات منٹ بھی نہیں ہوئے اور باہر نکل آئے ہو۔"

"صرف باتیں بنانے میں ماہر ہو' ادھر لاؤ۔" وہ قمیص جھپٹ کر پہننے لگا تھا۔

"حماد خان تمہارا وہی دوست ہے نا' جس کی منگیتر بہت خوب صورت ہے۔" نگین کئی مرتبہ حماد خان سے مل چکی تھی۔ اور ظاہر یوں کر رہی تھی کہ حماد خان واقعی اس کی یادداشت کے خانے سے نکل چکا ہو۔

"مجھے خبر نہیں' میں اس کی منگیتر سے کبھی ملا نہیں ہوں۔ ویسے وہ خوب صورت نہیں' بہت خوب صورت ہے۔" وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا۔

"تمہیں تو گل بدن بھی بہت خوب صورت دکھائی دیتی ہے۔" نگین واقعی تپ گئی۔

"جلنا کڑھنا فی الحال ملتوی کرو' اور فٹافٹ چائے بنا کر بھیجو' بلکہ خود بھی آ جانا' حماد سے اس کی منگیتر کے بارے میں پوچھنا' وہ اچھی طرح سے کومل کے بارے میں بتائے گا۔ تمہاری تسلی بھی ہو جائے گی۔" وہ بولتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ نگین استری کا پلگ نکال کر خود کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ گل بدن کے ہمراہ ٹرالی گھسیٹتے بیٹھک میں پہنچی تو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جھگڑتا پایا۔ صرف گتھم گتھا ہونے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

www.pkdigest.com

"یہ کیا کر رہے ہو؟" نگین خوف زدہ ہو گئی۔
"کیا کر رہے ہیں۔" وہ دونوں ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے۔
"لالہ! یہ جھگڑ رہا تھا تم سے؟"
"نہیں تو، ہم باتیں کر رہے تھے۔" حماد خان مصنوعی بشاشت سے مسکرایا۔
"کتنے جھوٹے ہو، تم دونوں۔" نگین بھنائی۔
"کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟"
"تمہارے کان خوامخواہ بج رہے ہیں۔"
"لالہ! تم بھی جھوٹ بولنے لگے ہو؟" نگین ناراضی سے گویا ہوئی۔
"صحبت کا اثر ہے بہنا۔" حماد خان لاچاری سے بولا۔
"یہ بھاوج ہے تیری۔" وہ اس کے کان میں گھسا۔
"لالہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نگین ان مسخروں کو دیکھ کر ہمیشہ حیران ہوتی تھی۔ پل میں تولہ، پل میں ماشہ۔
"تمہارے ہاتھ کی بدمزہ چائے پی کر میرا خودکشی کر لینے کو جی کرتا ہے۔" سرخیل خان اپنی حرکتوں پر آگیا تھا۔
"تو نہ پیو، میں تمہارے لیے لائی بھی نہیں۔" نگین کو غصہ آگیا۔ "لالہ یہ کباب، حلوہ، پڑا۔ آپ کے لیے ہے۔ خبردار جو اس کو کچھ بھی سنگھایا۔"
"جا کر اپنا کام کرو، کماں کا ہاتھ بٹاؤ۔" سرخیل نے پڑا کا پیس اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔
"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے، اماں شہر چلی گئی ہیں، گل بدن کو بخار ہے، کھانا میں نے اور تم نے بنانا ہے۔"
"اچھا۔" سرخیل خان سوچ میں گم ہوا۔ "یہ زنانہ کام میرے نصیب میں لکھے گئے ہیں شاید۔"
"لالہ! تم کیا کھاؤ گے؟" نگین جھکتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"تم جو بھی بناؤ گی۔" حماد خان نے مسکرا کر کہا۔
"ساگ اور مکئی کی روٹی کھاؤ گے لالہ!" وہ پوچھ حماد خان سے رہی تھی اور دیکھ سرخیل خان کو رہی تھی۔
مینیو سن کر اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔
"حماد ساگ اور مکئی کی روٹی کھانے پنڈی سے یہاں نہیں آیا اتنا لمبا سفر کر کے۔"
"تو پھر؟" نگین ہونق پن سے بولی۔
"اسے چائنیز فوڈ پسند ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔
"لالہ کو نہیں، تمہیں ہی فوڈ پسند ہے، اور آج کے مینیو میں کڑاہی گوشت، بکرے کا بھیجہ اور اس کی ٹانگیں شامل ہیں۔" نگین نے مزے سے ہاتھ جھاڑے۔
"اور یہ سب تم اکیلے بناؤ گی۔ میں تمہاری ہیلپ ہرگز نہیں کروں گا۔" اس نے بھی صاف جھنڈی دکھا دی۔
"کتنے بے مروت ہو تم۔"
"اور کتنی با مروت ہو تم سب جانتا ہوں میں۔" وہ بھی دوبدو بولا۔
"پلاؤ کے بجائے چائنیز رائس کر لیں گے۔" نگین نے فوراً مینیو میں تبدیلی کی۔
"اس کے علاوہ۔" وہ ٹھوڑی اچکائے پوچھ رہا تھا۔
"سلاد تو ہو گا ہی۔" نگین نے دانت پیسے۔
"تم لوگ کس کے لیے دعوتِ شیراز کا اہتمام کر رہے ہو۔" حماد خان کو مداخلت کرنا ہی پڑی۔
"تمہارے علاوہ اس وقت مہمان خانے میں کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔" سرخیل خان نے جتا کر کہا۔
"میرے لیے اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ پریشانی کے عالم میں ان دونوں کو دیکھنے لگا۔
"مہمان کھانے پینے کے معاملے میں بک بک نہیں کرتے۔" سرخیل نے اسے لتاڑا۔ "جو کچھ ہم تمہیں ٹھنسائیں گے، تمہیں ٹھونسنا ہی پڑے گا۔"
"اور ابھی یہ حلوہ ختم کریں پلیز!" نگین اس کے سر پر کھڑی ہو گئی۔
"شاباش! یہ کباب بھی کھاؤ۔" اسے بھی آداب میزبانی کا خیال آ ہی گیا۔ "پڑا تو چکھا ہی نہیں۔"

"پہلے آپ حلوہ کھائیں گے۔ اماں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" نگین نے پلیٹ زبردستی حماد خان کے ہاتھ میں تھمائی۔
"اور ہاں لالہ! آپ کی منگیتر کیسی ہے؟" وہ اسے گھورتے ہوئے حماد خان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"مجھے تو بہت اچھی لگتی ہے، تم دیکھ کر بتانا۔" حماد خان نے سادگی سے بتایا۔
"لالہ! اس سے کہیں نا، مجھے آپ کا گاؤں دکھا کر لائے، میں نے سنا ہے، آپ کا گاؤں آپ کی منگیتر کومل کی طرح بہت خوب صورت ہے۔"
"تم سرما میں خیل خان کے ساتھ آنا۔ برف باری کی طرح برستی اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔"
"جا کر ککڑ کا قیمہ بناؤ، ورنہ میں تمہارا بنا دوں گا۔" چکنا گھڑا، کچھ بھی کہہ لو، اثر نہیں ہوتا۔
"میں تم سے منگنی کر کے پچھتائی۔" نگین جل کر رہ گئی۔
"اور میں نے تو بڑے شکرانے پڑھے تھے گویا۔" وہ استہزائیہ بولا۔ "نہ جانے کون سی گھڑی تھی جب ابا جان نے تمہیں مجھ سے منسوب کر کے ایک عظیم زیادتی کروائی۔"
"تو نہ کرتے، کس نے ہاتھ جوڑ کے ترلے (منتیں) کیے تھے۔" نگین تلملائی۔
"تم تو بچپن سے ہی میرے متھے لگ گئی تھیں۔ پالنے میں لیٹی انگوٹھا چوس رہی تھی، اور میری بھولی اماں اس کی اسی چپ ادا پر قربان ہو کر اپنے گلے کی مالا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ یہ جو اس نے مالا پہن رکھی ہے نا، میری اماں نے جذبات میں آ کر پہنا دی تھی اسے، اب تک پچھتاتی ہیں میری طرح۔" اسے ہمیشہ نگی کو جلا کر لطف آتا تھا۔
"میری اماں کی مجھ سے محبت تمہاری طرح ملاوٹ شدہ نہیں ہے، خبردار جو چھپا کٹنی بن کر اماں اور میرے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔" نگین نے وارننگ دی۔
"ایسی کوششیں تو میں اکثر کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔" اس نے سینہ ٹھونک کر کہا۔
"ہمیشہ منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اماں کا جوتا سلامت رہے اور سرخیل خان کا سر سلامت رہے۔" نگین نے صاف مذاق اڑایا۔ "لالہ کبھی اسے اماں سے جوتے کھاتے ہوئے دیکھا ہے تم نے؟"
"نہیں۔" حماد خان گہری سانس کھینچتا مسکرانے لگا تھا۔ یہ لڑائیاں ان کے معمول کا حصہ تھیں۔ جو دن ان دونوں میں جھگڑے کے بغیر گزر جاتا تھا، اس دن گھر والے سخت پریشان ہو اٹھتے تھے۔ ان دونوں کی باقاعدہ احوال پرسی کی جاتی تھی کہ شاید ناسازیٔ طبع کے پیش نظر دونوں طرف امن اور خاموشی ہے۔

☼ ☼ ☼

سرخیل خان، دلاور خان کا تیسرا بیٹا تھا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے کچھ لاڈلا اور بہت ہی شوخ و شنگ طبیعت میں چونچالی تھی۔ ابا جان اور اماں کی شفقتوں اور محبتوں اور ذمہ داری سے ہمیشہ کوسوں دور رکھا۔ اپنے شوق سے جتنا دل چاہا تھا پڑھ لیا، جی پڑھائی سے اچاٹ ہوا تو کتابیں اطمینان سے اسٹور روم کے صندوق میں بند کر دیں۔
نگین چچا زاد تھی۔ کزن بھی اور بچپن کی منگیتر بھی۔ سرخیل خان کی پسند اور محبت بھی۔ پوری برادری اور خاندان بھر میں اس کی محبت کے چرچے تھے۔ اماں نے ہی نگین کو پالا پوسا تھا۔ بیچ میں ظالم سماج کیسا۔ ابا جان نے ان دونوں کی باہمی رضامندی معلوم کر کے پچھلے سال دھوم دھام سے منگنی کر دی تھی۔
خیل خان چونکہ فارغ تھا تو اب گھر اور زمینوں کی دیکھ بھال کے علاوہ تیسرا کام صرف یہ تھا کہ جب بھی حماد خان سے ملنے کو طبیعت مچلنے لگتی، وہ گاڑی بھگاتا اور پنڈی ہاسٹل پہنچ جاتا تھا۔ جہاں حماد خان کا فی الحال قیام تھا۔
اور آج شام بھی نگین سے مزے دار سی جھڑپ کے بعد اس نے رخت سفر باندھ لیا۔

www.pkdigest.com

"کہاں منہ اٹھا کر بھاگے جا رہے ہو۔" نگین اس کی تیاریوں سے اندازہ تو لگا چکی تھی مگر عادتاً تفتیش کرنا ضروری سمجھا۔

"منہ تمہارے پاس رکھ جاتا ہوں۔ پھر خوش ہو جاؤ گی۔" وہ بیگ میں کپڑے ٹھونس رہا تھا۔

"اس سڑی ہوئی مسکراہٹ والے منہ کو میں نے کیا کرنا ہے۔ اپنا دل دے جاؤ۔ سنبھال کر رکھوں گی اپنے پاس' خواہ مخواہ شہر کی ماڈرن لڑکیوں کو دیکھ کر پھسل پھسل جاتا ہے۔" نگین نے ہاتھ میں پکڑا بھٹہ پوری رفتار سے کھانا اور چبانا شروع کیا۔

"میرے آنکھوں پر تو پورے کالج کی لڑکیاں فدا تھیں۔" اس نے خواہ مخواہ کالر کھڑے کیے۔

"شکر کرو کوئی نوچ کر نہیں لے گئی۔"

"حماد خان جیسے یار ہوں تو کس کی جرأت ہے' کوئی ایسی جسارت کرے۔" وہ اترایا۔

"لالہ سے ملنے جا رہے ہو؟"

"ہاں۔۔۔ تم کیا سمجھی تھیں کہ ڈیٹ پر جا رہا ہوں۔"

"لالہ کو میرا سلام دینا۔" نگین نے سنجیدگی سے یاد دہانی کروائی۔ "ویسے ابھی پچھلے ہفتے تو تم پنڈی گئے تھے خانان! تم دونوں کی محبت بھی نرالی ہے۔"

"بہت ہی نرالی ہے' عجیب و غریب قسم کی۔ کبھی حماد خان مجھے خواب میں پریشان دیکھتا ہے اور بھاگا چلا آتا ہے میرا دیدار کرنے' کبھی میں اسے خواب میں فکر مند دیکھتا ہوں اور پنڈی کی دوڑ لگا دیتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ نگین سے ہر بات شیئر کیے بغیر گزارہ بھی کہاں ہوتا تھا اس کا۔

"تم نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"ہاں۔۔۔" اس نے بیگ کی زپ بند کی۔ "مجھے لگتا ہے وہ کچھ پریشان ہے۔"

"لالہ نے تم سے اپنی پریشانی شیئر نہیں کی؟"

"ملاقات ہو گی تو بتائے گا نا۔" اب وہ جاگرز پہن رہا تھا۔

"اور تم آؤ گے کب؟" نگین بے چین سی ہو گئی۔

"ہو ماہ بعد۔"

"چل جھوٹے! دو ماہ بعد بھی نہ آنا۔" وہ چیخی۔

"تم شکرانے پڑھنا' بلا ٹل گئی۔"

"خیل خان! سفر پر جاتے ہوئے اچھی بات منہ سے نکالا کرو۔" نگی ناراضی سے سمجھانے لگی۔

"اچھا سیانی بی! آئندہ احتیاط کروں گا۔" اس نے نگی کے سر پر چپت لگائی۔ "ویسے تیری دعا کے حصار میں رہتا ہوں' پھر ڈر کیسا؟"

"جاؤ' اللہ کی امان میں دیا۔" نگی نے آنکھ کی نمی سر جھکا کر چھپالی۔ "اے نگی! تو رو رہی ہے۔" وہ چیخا۔

"اوپر دیکھ۔" اس نے زبردستی اس کا منہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر اونچا کیا۔

"وجہ تو نہیں پوچھوں گا' جانتا جو ہوں' میری دوڑیں پنڈی تک لگتی رہیں گی' نگی ہمیشہ جی ہی جی میں تلملاتی رہے گی' آنسو بھی بہائے گی مگر مجھے منع نہیں کرے گی۔"

"ہاں' تو منع کروں بھی کیسے' کون سا کسی سوکن سے ملنے جاتے ہو' ایک ہی تو تمہارا یار ہے' اس کے اور تمہارے بیچ ظالم سماج کیوں بنوں! اچھے اور سمجھدار دوست قسمت سے ملتے ہیں۔" نگی نے تو نہ جانے کس رو میں کہا تھا۔ مگر وقت نے اس دوستی محبت اور وفاداری کو کیسے ثابت کیا تھا کہ وقت تک ششدر رہ گیا تھا۔ محبت اور دوستی کی مدتوں یاد رہنے والی داستان کے انجام کو دیکھ کر۔

"عقل مند ہوتی جا رہی ہو نگین یاور خان۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"عقل کل رکھنے والے ایک شاطر آدمی سے پالا جو پڑا ہے۔" نگین مسکرا دی۔

☆ ☆ ☆

"حمادے! او حماد خان' کس کے خیالوں میں گم ہو؟" وہ تیسری مرتبہ رسوئی میں سے باہر نکلی تھی اور وہ ابھی تک سابقہ پوزیشن میں بیٹھا نہ جانے کس گہری سوچ میں مبتلا تھا۔

"تیرے علاوہ کسی اور کو سوچنا بھی گناہ ہے' پھر بھی مشکوک رہتی ہو۔" وہ بے دلی سے مسکرایا۔

"باتوں سے مجھے نہیں بہلا سکتے تم' بتاؤ کیا پریشانی ہے۔" کومی کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ بے حد سنجیدہ' خاموش طبع اس کی خالہ کا اکلوتا بیٹا چھوٹی عمر میں ہی ذمہ داریوں کے بوجھ میں دب کر رہ گیا تھا۔

"تمہیں نہیں بتاؤں گا تو اور کون ہے میرا' دکھ سکھ سننے والا۔" وہ اداس آنکھوں سے مسکرا دیا۔

"تو پھر بتاؤ۔" کومی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"ایسے تھوڑی بتاؤں گا' پہلے گرم گرم چائے۔"

"پورے نشئی بن چکے ہو' میری طرح۔" کومی مسکرا کر اٹھ گئی تھی۔ وہ بھی اس کے پیچھے رسوئی میں چلا آیا۔

"وہ خان ہے نا' میرا یار! بس اسی نے عادی بنا دیا ہے' نکانشئی ہے۔"

"تم کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟" وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں کو دوا دے دی؟"

"ہاں۔۔۔ خالہ سو چکی ہیں' تم کم از کم اپنی تو لگتے ان سے اب وہ اٹھیں گی جب تو تم سو چکے ہو گے۔" کومی پتی کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں اماں سے مل کر سوؤں گا۔"

"واپسی کب تک ہے؟" وہ لکڑی کے پرانے ڈیزائن کے شوکیس سے کپ نکال رہی تھی۔

"فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی نکلوں گا۔"

"کل سویرے۔" کومی ٹھٹک گئی۔

"نہیں۔۔۔ پرسوں سویرے۔"

"تم نے مجھے ڈرا دیا' ہوا کے گھوڑے پر سوار آتے ہو۔ شکل دکھائی اور بھاگ گئے' دو گھڑی بات کرنے کا بھی وقت نہیں تمہارے پاس۔"

"تھوڑا سا اور انتظار کر لو' پھر فرصت ہی فرصت ہو گی' اچھے دن آئیں گے' زندگی سے تھکن اور مشقت ختم ہو جائے گی ایک روز' میں' اماں اور تم۔" وہ روشن آنکھوں سے مسکرا دیا۔ "اتنی باتیں جمع ہیں یہاں بھی' اور اس دل میں تیرے لیے پیار کے طوفان کے جھکڑ چل رہے ہیں' بس کومل! تھوڑا سا اور انتظار کر لو۔"

"کتنا انتظار؟" کومی دھیمے سروں سے مسکرائی۔

"تین' چار سال۔"

"خالہ سے مار کھائی ہے کیا' وہ تمہارے پکے پرچوں (فائنل ایگزامز) تک کے دن گن گن کر گزار رہی ہیں۔" اس نے چائے چھان کر کپ میں ڈالی۔

"خالہ سے زیادہ بھانجی بے چین لگتی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"یہ ہی سمجھ لو۔" اس کے ہونٹوں پر گلاب کھلنے لگے۔

"اتنی محبت کرتی ہو۔"

"جو میرے دل میں تمہارے لیے جذبہ ہے نا' اس کے لیے لفظ محبت بہت چھوٹا ہے۔"

"ہمیشہ ایسی محبت تمہارا دل میرے لیے محسوس کرتا رہے گا؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔" یقین کی خوشبو لہجے سے عیاں تھی۔

"اگر میں نہ رہا تو؟" وہ سراسر مذاق کر رہا تھا۔

"حماد خان!" کومی یک دم چیخی۔ "فضول بکواس کرنی ہے تو اٹھ کر باہر نکل جاؤ۔"

"سوری یار!" اس نے فوراً معذرت کی۔ "مان گیا آج تو' کومل بختیار کے دل میں میرے لیے کیا کچھ موجود ہے۔"

"کیا کچھ موجود ہے۔" اس نے ناراضی سے پوچھا۔

"وہ سب جو میں سننا چاہتا تھا۔"

"چائے کا کپ اٹھاؤ' اور بھاگو یہاں سے۔" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔

"تم سے کچھ شیئر کرنا تھا۔" اسے اچانک خیال آیا تو مسکراہٹ چہرے سے مٹ گئی۔

"بتا بھی چکو۔" کومی آلو چھیلنے لگی تھی۔ "نہ جانے کس سوچ میں ڈوب جاتے ہو گھڑی گھڑی۔"

"مجھے اسکالر شپ کے لیے اپلائی کرنا ہے' مجھے امید ہے' میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا' کیا تم چند سالوں کے لیے باہر جانے دو گی؟"

"باہر کہاں؟" اس کے ہاتھ سے چھری اور آلو گر گیا۔

"لندن۔"

"حماد خان!" کومی ٹھٹک گئی۔ "یہ تو کمٹ منٹ کا حصہ نہیں تھا۔" وہ رو دینے کو تھی۔ اتنی لمبی جدائی کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"باہر سے ڈگری لاؤں گا تو اور اچھی نوکری ملے گی۔ ہمارے حالات بدل جائیں گے۔" اس نے کومل کے لرزیدہ ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ "میں تمہیں زندگی کی ہر سہولت مہیا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سب کچھ جس کی تمنا ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔"

"مگر میری تمناؤں کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے حماد خان! میری تمنا صرف تم ہو۔" کومی کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گر پڑا۔ "ہمیں بہت زیادہ کی چاہ تو کبھی نہیں رہی نہ مجھے نہ تمہاری بوڑھی بیمار ماں کو۔"

"ہم کب تک معمولی معمولی چیزوں کے لیے ترسیں گے۔ تم دیکھ لینا کومل! میں یہاں اس گیسٹ ہاؤس کو ایک نیا روپ دوں گا' یہاں ایک بہت اچھی عمارت تعمیر کرواؤں گا۔"

"میں تمہیں پردیس جانے نہیں دوں گی' جو کچھ کرنا ہے' یہیں رہ کر کرو' ہماری آنکھوں کے سامنے۔" کومی کا انداز دو ٹوک تھا۔

"یہاں رہ کر بھلا میں کیا کر سکوں گا۔ بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہے' مجھے اپنا کاروبار کرنا ہے۔"

"ہم تھوڑے میں گزارہ کر لیں گے۔" وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"صرف کہنے کی باتیں ہیں' جب شادی ہو گی' خاندان بڑھے گا' پھر ضروریات کا پتا چلے گا۔"

"میں خالہ کو بتا رہی ہوں۔" وہ غصے سے دھپ دھپ کرتی اٹھ گئی۔

"کومل! او کومی! یار! ابھی نہ بتانا۔" حماد خان بھی اس کے پیچھے دوڑا چلا آیا۔

"خالہ! سمجھاؤ اپنے اس بیٹے کو۔ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔" وہ دھاڑ سے دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی' خالہ نفل پوری کر چکی تھیں۔ عینک تلاش کر رہی تھیں' اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"کہاں جا رہا ہے؟ اس وخت کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ باہر نکلے تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔" خالہ نہ جانے کیا سمجھی تھیں۔

"خالہ! یہ انگریزوں کے ملک جا رہا ہے۔"

"اس وخت (وقت)" خالہ نے دل تھام لیا۔

"حمادے! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

"اماں! پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں' اگر آپ دونوں معزز خواتین اجازت دیں گی تب۔" وہ روہانسا ہو گیا تھا کہ دونوں طرف سے توپوں کے منہ کھل گئے تھے۔

"میری طرف سے صاف انکار ہے۔" خالہ آگ بگولہ ہو گئیں۔

"اور میری طرف سے بھی۔" اس نے بھی اعلان کیا۔

"تو وہاں میموں سے دل لگائے' اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔" خالہ کی دور اندیشی کی کومی دل سے قائل ہو گئی۔

"اور کیا' آپ نے ٹھیک کہا خالہ!"

"اماں! ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔"

"تیرے پاس کیا ضمانت ہے' بڑے دیکھے ہیں' دعوے کرنے والے۔" خالہ ناراض ہو گئیں۔ "یہ تو نے سوچا بھی کیوں؟"

"اماں! آپ دونوں کو بہتر زندگی دینے کے لیے۔"

"ہم دونوں اب بھی بہتر زندگی جی رہے ہیں۔ اور بہتری ہمیں نہیں چاہیے' اپنے چن جیسے پتر کو پردیس بھیج دوں' کوئی میم متھے لگ گئی تو پھر کیا ہو گا۔" خالہ کی پریشانی بجا تھی۔

"اماں! میمیں اب پاکستانیوں کی باتوں میں نہیں آتیں۔" وہ زچ ہو اٹھا۔ "میں صرف پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں۔"

"تو ادھر کالج' اسکول ختم ہو گئے ہیں۔ سولہ جماعتیں پاس کر لی ہیں' اور کتنی جماعتیں پڑھنی ہے' کیا ستارہویں اور اٹھارویں جماعت کا اسکول نہیں ہے یہاں۔" خالہ نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں اماں۔" اس نے مختصر کہا۔ اب اٹھارویں اور ستارہویں جماعت کی بھلا کیا تشریح کرتا۔ اماں تو بال کی کھال اتارنے بیٹھ جاتی تھیں۔

"پتر! سولہ جماعتیں کافی ہیں۔ کیوں کومی پتر! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" خالہ نے کومی سے بھی تائید چاہی تھی۔ اس نے شدومد سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی خالہ!"

"دیکھ حمادے! ان بوڑھی آنکھوں کو اور نہ ترسا' مجھ میں انتظار کا دم نہیں میرے بچے!" خالہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں! میں تو قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میری خواہش پوری ہو جائے گی۔" وہ بے دلی سے بولا۔ سو ان دونوں کو بھلا کیا پتا تھا۔ جدائیاں تو اسے بھی گوارا نہیں تھیں۔ مگر مجبوریاں اور رزق نہ جانے کہاں کہاں باندھے لیے جاتا ہے۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے کہ تو کہیں بھی نہیں جا رہا۔" خالہ ضدی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اگر شادی کر کے جاؤں تو پھر؟" اس نے اچانک اک انوکھی بات کہہ دی تھی' لمحہ بھر کو دونوں ہی خاموش ہو گئیں۔

"کیا ممکن ہے؟" خالہ نے خوشی سے لرزیدہ آواز میں کہا تھا۔ کومی خاموش تھی بھلا وہ اس موضوع پر کیا بولتی۔ شرم سے زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

"نا ممکن بھلا کیا ہے؟" وہ مسکرایا۔

"تو نے میرے من کی بات چرالی ہے پتر!" خالہ کو بیٹے پر ٹوٹ کے پیار آ گیا۔

"اور آپ کے من میں کیا کھچڑی پک رہی ہے' کچھ بولیے نا' خاموش کیوں ہو گئیں اب' ابھی تو تڑ تڑ جواب دیے جا رہی تھیں۔" حماد خان کو اسے ستانے میں خوب مزہ آنے لگا تھا۔ "اپنی رائے کا اظہار کیجیے' آپ کی مرضی بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"خالہ کے سامنے کیا بولوں؟" کومی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"یہ ہی کہ میں شادی کروانا چاہتی ہوں۔" وہ آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا رہا تھا۔

"دیکھو نہیں۔"

"اماں! یہ کومل نہیں مان رہی۔ مجھے آنکھیں دکھا رہی ہے کہ آپ کو سمجھاؤں' دو' چار سال ٹھہر جائیں۔" وہ اسے ستا رہا تھا۔

"کومی پتر! بدشگونی کی بات مت کرو۔ خیر سے اتنے طویل عرصے بعد اس آنگن میں خوشی اترے گی۔ پھر حماد باہر چلا جائے گا۔ میرے پاس تم ہو گی۔ تم دونوں کے بچے ہوں گے۔ وخت گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا۔" خالہ مستقبل کی پلاننگ میں مصروف ہو گئی تھیں۔ حماد خان اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا اماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"پیاری اماں! بچوں کی آمد تک تو میں نہیں رکوں گا۔"

"کیا مطلب ہے تیرا۔" خالہ کو غصہ آ گیا۔

"مطلب مجھے تو جلد ہی جانا ہو گا۔"

"پھر بھی کب؟" دونوں کی آنکھوں میں سوال اتر آئے۔

"یہ ہی تین' چار ماہ بعد۔"

"پتر! شادی کی تیاری نہیں کرنی کیا؟" خالہ تو پریشان ہو اٹھیں۔ "برادری کو روٹی کھلاؤں گی' دھوم دھڑکا کروں گی۔"

"اماں! دو' چار مہینے کم تو نہیں۔"

"سب کچھ تم نے اور کومی نے ہی کرنا ہے۔ میرے تو ہاتھ ابھی سے پھولنے لگے ہیں۔" وہ سچ مچ بوکھلا گئی تھیں۔

"سب کچھ ہو گا اماں! آپ فکر نہ کریں۔ کیوں کومل صاحبہ!" حماد خان بڑی دلکشی سے مسکرایا۔

"مجھے کیا پتا؟" کومی جزبز سی بولی۔

"پتر! شادی کا سرخ جوڑا خریدنا' شہر سے لے کر آنا' آج کل کے فیشن کے مطابق۔" خالہ کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔

www.pkdigest.com

"اماں! آپ ساتھ چلنا' اپنی پسند سے خریدنا۔" خود بخود گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔

"نہ پتر! کومی کو ساتھ لے جانا' جس نے پہننا ہے' وہ خود ہی خریدے کی گورا رنگ ہو تو لال رنگ بڑا ہی اٹھتا ہے۔" خالہ تصور کی آنکھ سے شاید کومی کو دلہن بنا دیکھ رہی تھیں۔

"بس سرخ جوڑا ڈن ہوا' کیوں کومل!" وہ اسے ٹھوکے دیے جا رہا تھا۔

"انسان بن جاؤ حماد۔!" اس نے دانت پیسے۔

"زیادہ چھچھورے مت بنو۔"

"اماں! یہ کومل کچھ کہہ رہی ہے۔" وہ اسے جی بھر کے آج ستانا چاہتا تھا۔

"کیا؟"

"خود پوچھیں۔" اپنا دامن اس نے صاف بچالیا۔

"کومی! کیا بات ہے' لال جوڑا نہ سہی' جو مرضی خرید لینا۔" خالہ نے پچکار کر کہا۔ ان کا خیال تھا کومی کو لال رنگ بھا نہیں رہا۔

"خالہ! سرخ رنگ ہی اچھا ہے۔" اس نے پھر سے دانت پیسے۔

"تو پھر؟" خالہ حیران ہوئیں۔

"اماں! آپ کی ہونے والی بہو' اور حالیہ بھانجی کہہ رہی ہے کہ زیور گہنے نہیں دیں گی کیا؟"

"میں نے کب کہا۔" کومی چیخ پڑی۔

"ابھی میرے کان میں کہہ ہے۔"

"خالہ! جھوٹ بول رہا ہے یہ۔" وہ چلائی۔

"یہ چلانا' دہاڑنا' ذرا کم کرو' گلے میں خراشیں پڑ جائیں گی۔" حماد خان نے ایک مخلصانہ مشورہ دینا چاہا۔

"اور تم نے جھوٹ بولنا' اور غلط بیان کب سے جاری کرنا شروع کردیے ہیں۔"

"سیاست دانوں کے پتر! میرے سے بات کر' بچی کے کان میں کیوں گھس رہا ہے۔" خالہ نے تلملا کر کہا۔ اس کی کھسر پھسر ان کے کانوں تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

"کان کا رو وچیک کر رہا تھا۔" وہ گڑبڑایا۔

"تو نے حکمت کا علم کب سے سیکھا؟"

"ابھی دس منٹ پہلے۔" وہ ہنسا۔

"مخول نہ کر میرے ساتھ۔" انہوں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"تو پھر کس کے ساتھ مخول کروں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"کل سے مایوں بٹھاؤں گی اسے۔" خالہ نے پٹاخہ چھوڑا۔

"تین ماہ پہلے ہی۔" کومی چیخ اٹھی۔ "خالہ! گھر میں بند کرکے مجھے زنگ لگانا ہے' گلی جم جائے گی مجھ پر اور میرے اسکول کے بچے۔"

"بھاڑ میں گئے بچے' مفت خورے' دو وخت (وقت) دماغ چاٹتے ہیں تیرا۔ آجاتے ہیں سہ پہر کے وخت بھی بستے بغل میں دبا کر۔" خالہ بھنا کر بولیں۔

"اماں! آپ کی بھانجی علم بانٹتی ہے' یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔"

"ارے بھوسہ بھرا ہے' ان کے دماغوں میں' یہ خوامخواہ کھوپڑی کھپاتی ہے۔" خالہ سہ پہر میں آنے والے بچوں سے سخت بے زار تھیں۔ صرف اس وجہ سے کہ ان کو کمپنی دینے کے بجائے کومی بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتی تھی۔

"اماں! زیور اور گہنوں کا کیا کرنا ہے؟" وہ انہیں پھر سے موضوع کی طرف لے آیا۔

"دو کنگن اور ایک سونے کا سیٹ چڑھاؤں گی۔" خالہ خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"یہ دو کنگن اور سونے کا سیٹ کہاں چھپا رکھا تھا؟" اس نے رازداری سے اماں سے پوچھنا چاہا۔

"بھلے وختوں (وقتوں) میں بنوا کر رکھے تھے۔ برے وخت میں بھی بیچنے کو دل نہیں چاہا تھا۔ سوچا کومی کے کام آئیں گے۔" اماں ماضی کے کسی لمحے میں کھو گئیں۔

"بچپن سے ہی آپ کومی کو بہو بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں اماں!" وہ کومی کو اٹھتا دیکھ کر اس کا بازو پکڑ کر

بٹھاتے ہوئے بولا۔ "کہاں جارہی ہو؟"

"چائے بنانے۔"

"کام تو نیکی کا ہے۔ مگر ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔" وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "جا کہاں رہی ہو' ابھی تو ولیمے کے ڈریس کو ڈسکس کرنا ہے۔" اس نے پھر سے کومی کو چھیڑا۔

"کیا کرنا ہے پتر!" خالہ نے ناسمجھی کے عالم میں بیٹے کی طرف دیکھا۔

"اماں! ولیمہ کے جوڑے کی بات کر رہا ہوں' کیسا ہونا چاہیے؟"

"یہ تم دونوں آپس میں صلاح کرلو۔" انہوں نے کھلے دل سے اجازت دی۔

"دیکھ لو' میری اماں کتنی براڈ مائنڈڈ ہیں۔" وہ فخریہ مسکرایا۔ "اب بتاؤ' ولیمہ والے روز کیا پہنو گی۔"

"جا حماد! دیکھ نہیں رہے' وہ شرما رہی ہے۔" خالہ کو بھانجی کی پتلی حالت پر ترس آگیا۔ "کومی! تین پیالے کڑک سی چائے کے ساتھ کڑی مٹھائی لے کر آ۔" انہوں نے بیٹے کی شوخ نظروں سے کومی کو بچانا چاہا۔

"آج میری اماں اس خوشی کے موقع پر جی بھر کے بدپرہیزی کرنا چاہتی ہیں۔" حماد خان ناراضی سے جتاتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہاری شادی کے بعد سے پرہیز شروع کروں گی۔" وہ بیٹے اور بھانجی دونوں کو بیک وقت تسلی دے رہی تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆ ☆ ☆

دھرتی کے پیٹ سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ جس کا شفاف پانی ندی میں جاگرتا۔ بستی کے اکثر لوگ یہی پانی پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

وہ اسکول سے واپسی پر دہشت خان کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کی ماں بیمار تھی۔ حکیم کی دوائی سے افاقہ نہیں ہوا تھا۔ شہر لے جانے کی طاقت دہشت خان کے باپ میں کہاں تھی۔ اپنی استطاعت کے مطابق علاج معالجہ کروا رہا تھا۔ اس کا دل بہت برا ہو رہا تھا' نہ جانے کیوں' اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس بستی میں ایک معالج کا ہونا کس قدر ناگزیر تھا۔ نہ معالج تھا' نہ اچھی دوا تھی اور زندگی کو سسک سسک کر دم ہی توڑنا تھا۔

وہ گھر جانے کے بجائے ندی کے کنارے اپنے مخصوص پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کنکر پانی میں پھینکتے ہوئے اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب دبے قدموں سے حماد خان چلا آیا ہے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم اسی جگہ پر بیٹھی کسی سوچ میں گم ہوگی۔ کیا سوچا جا رہا ہے؟" وہ اس کے قریب دھم سے بیٹھ گیا۔

"تم کب آئے ہو؟" غیر متوقع حماد خان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" وہ اپنے ہاتھ میں دبا سیب کومی کو تھماتے ہوئے بولا۔ "گھر نہیں چلنا کیا؟"

"یہاں کچھ دیر بیٹھنا چاہتی ہوں۔" اس کا انداز پُرسوچ تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"اس بستی میں کوئی ڈاکٹر نہیں آسکتا۔"

"کتنے ڈاکٹر آئے اور گئے' کمبخت ٹکتے نہیں۔" وہ کومی کی سنجیدگی کی وجہ سمجھ کر سرہلاتے ہوئے بولا تھا۔

"مستقل انتظام نہیں ہو سکتا۔ زکام اور بخار کی دوا لینے کے لیے اتنی دور جانا پڑتا ہے۔ زچہ بچہ کے علاج کی کوئی سہولت نہیں۔ زچگی کے دوران کئی عورتیں جاں بحق ہو جاتی ہیں۔ بچے پیدائشی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مرض کی تشخیص کرنے والا کوئی نہیں۔" کومی کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔

"میں خان سے بات کروں گا' اس کے پاس یقیناً کوئی حل ضرور ہوگا۔" حماد خان نے اپنے دوست کا نام لیا تھا' شاید وہ سن نہیں سکی تھی' اس کا دھیان دہشت خان کی بیمار ماں میں اٹکا ہوا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں' کیسے اچانک آنا ہوا؟"

www.pkdigest.com

"گھر چلو گی تو خود بخود پتا چل جائے گا۔" وہ مسکرایا۔

"ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔"

"کیا لائے ہو؟"

"خود دیکھ لینا۔" وہ اس کے تجسس کو ہوا دینا چاہتا تھا۔

"بتا دو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟" وہ سوچنے لگی۔ "نکاح کا جوڑا لائے ہو؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں... کچھ اور بھی ہے۔" اس نے "بھی" پر خاصا زور دیا تھا۔

"کیا؟" وہ متجسس سی کھڑی ہو گئی۔ دونوں دس منٹ کا فاصلہ پچیس منٹ میں طے کر کے آئے تھے۔ باتوں اور چٹکلوں کے دوران، حالانکہ حماد خان بہت کم گو تھا اور کومل ذرا سخت مزاج رکھتی تھی، مگر حماد خان کے لیے اس کے دل میں اور لفظوں میں نرمی ہی نرمی تھی۔ بڑی عجیب سی محبت دونوں کے درمیان پروان چڑھی تھی۔ کبھی اظہار کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ خوشبو کی طرح، کچھ کہتی، بولتی، ستی اور احساس دلاتی محبت۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ خالہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی، جب حماد خان اس کا ہاتھ پکڑے ایک دوسرے کمرے کی طرف لے آیا۔

"یہ کیا ہے؟" کومی حیران سی دیکھتی رہ گئی۔ چمکتا دمکتا فرنیچر، ایل سی ڈی، شیشے کا نفیس ریک، لکڑی کی دیدہ زیب الماری، منقش پلنگ، صوفہ۔

"حماد خان! اس کی بھلا کیا ضرورت تھی۔" وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ "اتنا خرچہ کر دیا۔ یہ پیسے بچا کر رکھتے۔"

"تمہیں میرا سرپرائز پسند نہیں آیا؟" وہ بددل سا ہو کر پوچھنے لگا۔

"بہت اچھا ہے، نیا نیا اور انوکھا... میں صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں، یہ پیسے پردیس میں تمہارے کام آ جاتے۔"

"پردیس جانے کی اجازت دے دو گی؟" حماد خان نے جگمگاتی آنکھوں سے کومی کے چہرے پر بکھرتے رنگ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دل نہیں مانتا، مگر میں تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"

"میں جلد لوٹ آؤں گا۔"

"اور ہم انتظار ہی کر سکتے ہیں، مجھے تو پہلے سے ہی خبر تھی، مجھے اور خالہ کو تنہا ہی رہنا ہے۔" کیسی قبولیت کی گھڑی تھی جب یہ منحوس الفاظ انجانے میں اس کے منہ سے پھسلے تھے۔

"میرے دل کا کچھ تو خیال کرو، خوامخواہ برا ہو رہا ہے، مجھے خوشی خوشی رخصت کرنا ہے، پردیس جا رہا ہوں، دنیا سے نہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

"اللہ نہ کرے۔" کومی دہل گئی۔ "فضول ہانکتے رہا کرو۔"

"چلو بھئی کا موڈ ہے تو بلاؤ، ورنہ مسافر تو چلا۔"

"ایک شرط پہ، کل کا دن یہیں گزارو گے۔"

"توبہ، تم نے تو ڈرا دیا تھا۔ میں نے سمجھا نہ جانے کیا اور شرط عائد کر دو گی۔" وہ دہل سا گیا۔

"ڈرامہ نہ کرو۔" کومی ہنس پڑی۔ "پتا نہیں کیسے کیسے دوست بنا لیے ہیں، پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔"

"ایک ہی دوست ہے میرا، جنید جان، بہت پیار کرتا ہے مجھ سے، جانتی ہو، پچھلے سال میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا تو اسی نے مجھے خون دیا تھا۔ اس کا خون میری رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔"

"ہمارے دل سے تمہارے اس دوست کے لیے ہمیشہ دعا نکلتی ہے، خالہ تو اٹھتے بیٹھتے اسے دعائیں دیتی ہیں۔ بڑا احسان ہے تمہارے دوست کا تم پر بھی اور ہم پر بھی۔" کومی نے سادگی سے کہا۔ وہ ایک ایک چیز کو ہاتھ سے چھو کر دیکھ رہی تھی۔

"حماد خان! یوں لگتا ہے، میں خواب کے سفر میں ہوں۔ دعا کیا کرو یہ حسین سپنا کبھی نہ ٹوٹے۔"

"خواب کے اس سفر میں، حماد خان ہمراہ ہے یا نہیں۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"بکواس نہ کیا کرو۔" کومی ناراض سی دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی۔

"میرے بغیر زندگی کے رنگ پھیکے ہیں کیا؟" وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ دھمکا تھا۔ گھر میں ہوتا تو کومل کے پیچھے پیچھے رہتا، باہر نکلتا تو تب بھی دھیان ادھر ہی اٹکا رہتا۔

"تو اور کیا۔"

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔"

"یہ سوال نہ پوچھا کرو۔" سنجیدگی اس کے چہرے پر گہری ہوتی چلی گئی۔ "شعور نے جب سے دامن پکڑا ہے، تمہارے چہرے کو ہی دیکھا ہے، اور اس کے علاوہ کسی اور کی تمنا اس دل نے کبھی نہیں کی۔ تمہارے شوق کے پیش نظر تمہیں باہر جانے کی اجازت دے رہی ہوں، ورنہ...۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

"تمہیں کون سا خوف لاحق ہے؟ کیا یہ ہے کہ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا؟" حماد خان اس کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔ فاصلہ صرف دو قدم کا تھا اور ابدی جدائی بھی پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"نہیں... مجھے خوف ہے تو تم سے بچھڑنے کا، پتا نہیں، دل اس قدر بجھا بجھا کیوں ہے۔" کومل اپنے احساسات بتانے سے قاصر تھی۔

"دل کو وہموں سے پاک کر لو۔" وہ روشن آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"یہ دل اور اس کی صدائیں مجھے پاگل کر دیں گی۔ پوری خوشی تو جانے میرے نصیب میں لکھی ہے یا نہیں۔" کومل لب کچلتی کہہ رہی تھی اور جو وہ کہہ رہی تھی۔ وقت اسے سرخ روشنائی کے ساتھ رقم کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اماں! میری شادی کا ارادہ ہے بھی یا نہیں، منگنی پر ہی ٹرخا دیا ہے مجھے۔" جب سے سرخیل خان کو حماد خان کی بات پکی ہو جانے کی اطلاع ملی تھی، وہ تو سخت اتاولا ہو رہا تھا۔

"ارے دم تو لو بچے! تم سے بڑے ابھی وہ منگنی شدہ بھی نہیں ہوئے۔" اماں اس کی مسخریوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔ مگر اس وقت تو وہ اچھا خاصا سنجیدہ ہو رہا تھا۔

"حماد کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ جل بھن کر بولا۔

"یہ تو خوشی کی خبر ہے۔"

"کوئی خوشی کی خبر آپ بھی سنا دیں۔ آپ کے ارمان کہاں جا کر سو چکے ہیں اماں! انہیں جگائیں، اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجائیں۔ میں شادی کے لیے مرا جا رہا ہوں۔" وہ تلملایا۔

"خیل خان! تجھے کیا ہو گیا ہے۔" اماں تو بے چاری حق دق رہ گئیں۔

"شادی فوبیا ہو گیا ہے، میرے یار کے سر پر سہرا سجے، ڈھول ڈھمکا بجے اور میں بغیر سہرے کے پھول اسپابیل۔" وہ تو باقاعدہ تقریر کرنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"خبیر اور گل شیر امریکہ سے آ لیں تو پھر یہ موضوع چھیڑنا۔" اماں کا انداز صاف ٹالنے والا تھا اور وہ ٹلنے والا ہرگز نہیں تھا۔

"اور وہ آئیں گے چار سال بعد، میں اتنا صبر نہیں کر سکتا۔"

"بے شرم! ماں کے سامنے تو حیا کر لے۔" اماں ناراض ہونے کے بجائے مسکرا رہی تھیں۔

"میں لطیفہ نہیں سنا رہا، آپ مسکرائے جا رہی ہیں۔" سرخیل خان برا مان گیا۔

"تو خود پورا لطیفہ ہے میرے بچے! فکر نہ کر، تیرے ابا جان سے بات کروں گی۔" اماں نے پیار سے اسے پچکارا۔

"بچہ نہیں ہوں میں، جسے لولی پاپ پکڑا کر بہلا رہی ہیں، آج ہی فائنل بات کریں۔"

"ابھی نا، تیرا نکاح پڑھا دوں نگین سے۔" اماں بولیں۔

www.pkdigest.com

"میں تو تیار ہوں' بلاؤں مولوی قیوم الدین کو۔" وہ سچ مچ کھڑا ہو گیا۔

"خیل بچے! تھوڑا ذمہ دار ہو جا' کچھ ہاتھ بٹا اپنے ابا جان کا کاروبار میں۔" اماں نے پھر سے پچکارا۔

"پلیز اماں! فی الحال نصیحتوں کی پوٹلی بند ہی رکھیے۔" وہ بے زار سا ہو گیا۔

"اماں! کہاں ہیں؟ گل شیر سے بات کریں۔" نگین نے غلط موقع پر انٹری دی تھی۔ اماں کے ہاتھ میں ریسیور تھمایا تھا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"تم نے کونین کی گولی کھائی ہے؟"

"نہیں تو۔" وہ لیٹا ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"موتھی (چہرے) پر تو یہی کچھ لکھا ہے۔"

"شکل اچھی نہ ہو تو بات اچھی کرلینی چاہیے۔ بندہ پھر بھی خوب صورت ہی لگتا ہے۔" وہ بھی گویا ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

"میرے گلے کیوں پڑ رہے ہو؟" نگین نے ناک چڑھائی۔

"میں تو تین فٹ دور بیٹھا ہوں۔"

"محاورہ بولا ہے میں نے۔" نگین نے گویا ماتھا پیٹا۔

"اچھا۔" وہ سمجھ کر مسکرایا۔ "بتا دینا تھا نا یہ محاورہ ہے۔"

"کتنے جاہل ہو تم' محاورہ تک سمجھ نہیں سکتے۔" نگین کو بھی اسے چڑانے کا موقع مل گیا۔

"اور کتنی قابل ہو تم' میٹرک میں بار بار فیل۔" وہ بھی چبا چبا کر بولا۔

"لوفر انسان! تمہاری یادداشت سے یہ بات نکل کیوں نہیں جاتی۔" نگین تلملائی۔

"یہ لوفر انسان' تمہارا شوہر بننے والا ہے۔" اس نے کالر کھڑے کیے۔

"کب؟" نگین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"عنقریب' وہ دن دور نہیں جب تم میری کنیز بن جاؤ گی۔" وہ شاہانہ انداز میں بولا تھا۔

"منہ دھو رکھو اپنا' میں اس نام نہاد منگنی کو توڑ بھی سکتی ہوں۔" نگین نے اسے دھمکانا چاہا۔

"کیسے؟" وہ حیران ہوا۔

"ایسے۔" نگین نے انگوٹھی اتار کر اس کی طرف اچھالی تھی' جسے سر خیل خان نے مہارت سے کیچ کر لیا۔

"اور میں پتا ہے کیا کروں گا؟"

"کیا کرو گے؟" نگین نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"یہ انگوٹھی کسی خوب صورت لڑکی کی حسین انگلی میں پہنا دوں گا۔ کم از کم انگوٹھی کی قیمت تو وصول ہو جائے گی۔" اس نے نگین کو بری طرح سے چڑایا۔

"میری انگوٹھی واپس کرو۔" نگین چیخی۔

"ہرگز نہیں' یہ انگوٹھی اب تمہیں نہیں ملے گی۔" وہ انگوٹھی کو ہتھیلی پر رکھے باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسے دو گے؟" وہ دھاڑی۔

"وہی جو اس کی اصل حق دار ہو گی۔"

"زندہ نہیں چھوڑوں گی میں اس لومڑی کو۔" نگین نے دانت پیسے۔

"کون لومڑی؟"

"وہی جسے۔" نگین کہتے کہتے رک گئی تھی' کیونکہ انگوٹھی پھر سے اس کی گود میں گر چکی تھی۔

"تم نے خود کو ٹھیک پہچانا۔" سر خیل خان نے قہقہہ لگایا تھا۔

"خیل خان! بہت برے ہو تم۔" وہ تنتنائی۔

"ارے پھر سے جھگڑنے لگے۔" اماں فون سن چکی تھیں۔ انہیں ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے دیکھ کر سر تھامے بیٹھ گئیں۔

"چھوڑیے اماں! میری تعریفوں پر خوامخواہ وقت ضائع کریں گی۔ یہ بتائیے' گل شیر کیا کہہ رہا تھا؟" وہ بھی کمال کا اداکار تھا' فوراً موضوع بدل گیا۔

"خیر سے خیبر خان اور گل شیر واپس آ رہے ہیں۔" اماں سرشاری سے بتانے لگیں۔

"کب؟" وہ دونوں چلائے تھے۔

"اگلے ہفتے۔" اماں خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"یا ہو۔" ان دونوں نے جوش کے عالم میں نعرہ لگایا۔

☼ ☼ ☼

خیبر خان اور گل شیر کے واپس آتے ہی گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔ بیٹوں کی وطن واپسی اور وہ بھی اعلا ڈگریوں کی ہمراہی کے ساتھ ابا جان کا سینہ فخر سے پھیلا گئی تھی۔ وہ اکثر کہتے تھے۔ "خیل خان ہمارا لاڈلا بیٹا ہے' مگر اس نے ہمیں تعلیم کے معاملے میں خاصا مایوس کیا ہے۔"

اماں کے سوئے ہوئے سارے ارمان جاگ گئے تھے۔ بیٹوں کو دیکھتے ہی ان کی شادیوں کے لیے سرگرم عمل ہو گئیں۔

گل شیر خان کے لیے اپنی بھانجی مروت کو سلیکٹ کر لیا گیا تھا۔ اور خیبر خان جیسے چاکلیٹی ہیرو کے لیے کوئی لڑکی نظر میں جچ نہیں رہی تھی۔ ابھی لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ جاری تھا' جب خیبر خان نے نرم نرم الفاظ میں دھماکہ کر دیا تھا۔ اور حیرانی کی بات یہ تھی' ابا جان نے سوچ سمجھ کر اس کی خواہش پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔

خیبر خان نے ابا جان سے نگین کے ساتھ کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کے خیال میں نگین جیسی سادہ مزاج' سیدھی سادی گھریلو لڑکی بہت مناسب تھی۔ وہ خود بہت سادہ مزاج رکھنے والا اعلا سوچ کا حامل نوجوان تھا۔ تمام عمر امریکہ میں گزارنے کے باوجود یورپ کے ماحول نے اس کے کردار پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ مضبوط' شاندار اور ہر لحاظ سے مکمل۔

ابا جان نے سوچا' غور کیا اور خیبر خان کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ جس نے سنا گویا دھک سے رہ گیا' حتیٰ کہ اماں بھی گھبرا اٹھیں۔

"خان جی! یہ آپ نے کیسا فیصلہ سنا دیا۔ نگی تو خیل خان کی منگ ہے۔ بچپن کی منگ۔"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ نگی اور خیل خان کے حق میں یہی بہتر ہے۔ مجھے نگی بھی عزیز ہے اور خیل خان بھی۔ نگی کی یہی مناسب عمر ہے۔ اور اس کے لیے خیبر خان جیسا سمجھ دار' ذمہ دار شخص ہی بہتر رہے گا جبکہ خیل خان میں بہت بچپنا ہے۔ ابھی شادی کے لائق نہیں۔ کھیلنے کودنے کی عمر ہے اس کی۔ ذمہ داریوں کا بوجھ ابھی سے لادنے کو دل نہیں مانتا۔"

"وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ آپ اچھی طرح سے واقف ہیں۔" وہ حد درجہ متوحش ہو گئیں۔

"وہ بچپن سے ساتھ ہیں۔ انسیت تو ہو ہی جاتی ہے۔" ان کا انداز سرسری تھا۔

"اور وہ جو باقاعدہ منگنی کی تھی۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ خیل خان کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اپنے بھائی کی پسند کو اہمیت دے گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ہمارے بیٹے نے کچھ مانگا ہے' اپنی کسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کی خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔ خیل خان کو میں سمجھا دوں گا۔ اسے بھی خیبر خان کی خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔ ہمارے بیٹے' ہماری تربیت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔"

اور دروازے کے دوسری طرف کھڑے خیل خان کے قدموں کے نیچے سے زمین دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ "یہ ابا جان نے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اس کے جسم میں گردش کرتا لہو تھم گیا۔

☼ ☼ ☼

"خیل خان! او خیلے! اٹھ بھی جا۔ بھنگ پی کر سوئے ہو۔ ادھر مجھ پر قیامت بیت رہی ہے اور تم کیسے نیند میں دھت پڑے ہو۔" نگین نے چیخ چیخ کر کمرہ سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ سو تو نہیں رہا تھا۔ بس تکیے میں منہ دیے لیٹا رہا۔

"خیل خان! اٹھو نا۔" نگین رو دینے کو تھی۔

"کیا ہے؟" وہ بھاری آواز میں بولا۔

www.pkdigest.com

"تم نے کچھ سنا ہے۔" تمکین سچ مچ رو پڑی تھی اور وہ تو پچھلے تین دن سے چپکے چپکے رو رہی تھی۔

"ہاں سنا ہے۔"

"سب کچھ جان کر بھی ایسے پڑے ہو۔"

"تو کیا کروں۔" وہ الٹا تمکین سے پوچھنے لگا۔

"ابا جان کے فیصلے پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟"

تمکین رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی جو تکیہ ہٹا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"نہیں۔"

"کک۔ کیوں؟" چھت گویا اس کے سر پر آن پڑی تھی۔

"اعتراض کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔ خیبر خان میں کیا کمی ہے؟"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" تمکین ششدر رہ گئی۔

"کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ ایک دنیا خیبر خان کے عشق میں گرفتار ہے۔" وہ لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

"میں اس دنیا میں شامل نہیں ہوں۔" تمکین چبا چبا کر بولی۔

"اب شمولیت اختیار کر لو۔" اس نے اطمینان سے کہہ دیا تھا۔ گویا جو کچھ ہو رہا تھا اس کی بلا سے۔ ابا جان کا ہر قول ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ خیل خان بغاوت کا علم اٹھا لیتا۔ یہ منگنی بھی ان کی باہمی رضامندی سے ہوئی تھی۔ اور باہمی رضامندی کے ساتھ توڑی بھی گئی۔ ابھی کل رات خیبر خان اس سے پوچھ رہا تھا۔ "تم دونوں یعنی تمکین اور تم ایک دوسرے سے کافی اٹیچ رہے ہو۔ میں نے سنا ہے۔ بچپن میں رشتہ بھی رہا ہے۔ اگر تم تمکین کے لیے سوفٹ ایموشنز رکھتے ہو تو میں تم دونوں کے درمیان نہیں آؤں گا اگر یہ صرف کزنز ہونے کے ناتے دوستی رہی ہے تو تمکین کو اپنی زندگی میں شامل کرنا میری اولین آرزو بن چکی ہے۔ وہ مجھے صرف اچھی نہیں لگی تھی۔ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ بہرحال تمہاری خوشی مجھے ہمیشہ عزیز رہے گی۔" وہ شائستگی سے نرمی سے اپنا نقطہ نظر واضح کر رہا تھا۔

"اور لالہ! تمہاری خوشی مجھے بھی ہمیشہ عزیز رہے گی۔" خیل خان کو مسکرانے میں کس قدر دقت پیش آئی تھی۔

"ہم دونوں میں صرف دوستی کا رشتہ ہے جو سدا قائم رہے گا۔" اس نے خیبر خان کے دل میں چبھی پھانس نکال دی تھی۔

"خیل خان! کہاں کھو گئے۔" تمکین نے اس کا کندھا ہلایا۔ "تم ٹھیک تو ہونا؟"

"مجھے کیا ہونا ہے۔ میں پہلے کی طرح ہشاش بشاش ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"تمہیں قطعاً" افسوس نہیں۔ تمہیں ذرا دکھ نہیں۔ ہماری منگنی ٹوٹ رہی ہے۔ رشتہ ختم ہو رہا ہے اور تم اتنے مطمئن ہو۔" تمکین گویا پھٹ پڑی۔

"میرا اور تمہارا مزاج نہیں ملتا۔ تم بھی آگ کی طرح بھڑکتی رہتی ہو۔ اور میں بھی شعلہ ہوں۔ بعد میں مسائل کھڑے ہوں۔ اس سے بہتر ہے ہم کوئی اچھا سا فیصلہ کر لیں۔"

"اور وہ سب کیا تھا۔ تمہاری توجہ، وہ احساس، خیال، محبت۔" وہ چیخی۔

"دھوکا، فریب، جھوٹ، کچھ بھی سمجھ لو۔" سر خیل خان ہنس رہا تھا۔ "نگی! کیوں اتنی جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ خیبر خان کی نظر تم پر ٹھہری ہے۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔ کمینے انسان، میرے جذبات، میری محبت کا مذاق اڑایا ہے تم نے۔ میں خود ہی تم جیسے بے غیرت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ کسی اور کو کیا دوش دوں۔ نظریں تو تم ہی نے بدلی ہیں۔ ورنہ میں تو ابا جان کے سامنے بھی ٹھہری جاتی۔ تم سے بہتر خیبر لالہ ہیں۔ میری عزت کرتے ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارا اور ان کا بھلا کیا مقابلہ ہونہہ! لفنگا، لوفر، کمینہ، پنڈی میں کسی کے ساتھ آنکھیں لڑا آیا ہوگا۔" وہ تن فن کرتی باہر نکل رہی تھی۔ "تم تو میرے قابل ہی نہیں۔ ابا جان نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ میں کیوں نافرمان بنوں۔ بغاوت کروں۔ جب تم ہی کو پروا

نہیں۔"

"شادی کی تیاری کرو۔ کچھ کام ہوا تو مجھے بلوا لینا۔ خادم ہمیشہ حاضر رہے گا۔" وہ جو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی گم صم ہو کر رہ گیا۔

"جو بھی سمجھ لو نگی! اگر میں بھی ابا جان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ اور محبت کا کیا ہے۔ یہ تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی جو دل کو اتنا اچھا لگے کہ اس کے بغیر جینا محال ہو۔ تم آباد اور شاد رہو۔ میری صرف یہی دعا ہے۔ لالہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی فراہم کرے گا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

نگی اور خیبر خان کی شادی یادگار شادیوں میں شمار ہوتی تھی۔ اتنی دھوم دھام سے ہوئی کہ مدتوں تک ذہنوں میں محفوظ رہ سکتی تھی۔

ان کا ہنی مون ٹور بھی یادگار رہا تھا۔ نگی کو دیکھ کر پہچاننا مشکل تھا۔ صرف ڈیڑھ مہینہ اس کی زندگی میں انقلاب لے آیا تھا۔ اول جلول حلیے والی لاپروا سی نگی ایک شائستہ سے لبادے میں لپٹ گئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح چہکتی چھوٹی ہنستی مسکراتی نگی کے گالوں پر کھلتے شگوفے خیل خان کے سارے خدشات مٹاتے چلے گئے۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے اور خیبر خان ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتا تھا۔ گل شیر واپس چلا گیا تھا۔ اور خیل خان بھی اس کے پاس جانے کی چپکے چپکے تیاری کر رہا تھا۔

حماد خان کو بھی اسکالر شپ مل گیا تھا۔ وہ اپنی شادی کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ باہر جانے کے انتظامات میں بھی مصروف تھا۔ خیل خان نے جس شب کو پنڈی روانہ ہونا تھا۔ اس سے اگلے دن حماد خان کی شادی تھی مگر اسی رات ابا جان کو شدید گردے میں درد اٹھا تھا۔ دل کے مریض تو وہ پہلے سے ہی تھے۔ گھر بھر میں پریشانی کی لہر جاگ اٹھی تھی۔ اس نے فی الفور اپنا پروگرام بدل لیا تھا۔ ابا جان کو ہاسپٹلائز کر دیا گیا۔ حماد خان کی شادی اسی پریشانی کی نذر ہو گئی تھی۔

شادی کے تیسرے روز ابا جان کو ڈسچارج کیا گیا تو اس نے بھی پنڈی کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ حماد خان سے رابطہ ہو چکا تھا اور وہ اسے لینے کی غرض سے پنڈی پہنچ چکا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ حماد خان کے گاؤں جا رہا تھا سو متجسس تو تھا ہی۔ سر خیل خان اپنی گاڑی میں تھا اور ابھی وہ دونوں شہر کی حدود میں تھے جب اچانک دو موٹر سائیکل سوار نجانے کہاں سے نکل آئے۔ ان کے چہرے نقاب میں چھپے تھے۔ اور وہ شاید انہیں لوٹنے کے لیے آئے تھے۔

"جو کچھ ہے نکالو باہر۔"

"کچھ بھی نہیں ہمارے پاس۔ پھر کیا نکالیں۔" سر خیل خان کا جوشیلا خون جوش کھانے لگا۔

"کیش، موبائل اور گاڑی کی چابی ادھر کرو۔" دوسرے آدمی نے پستول کے ٹریگر پر ہاتھ رکھے چنگھاڑ کر کہا تھا۔

"او بھائی! ہم جلدی میں ہیں۔ جانے دو ہمیں، کسی اور کا راستہ روکو۔ ہم فقیروں کے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں۔ مانگے تانگے کی گاڑی ہے۔" حماد خان نے اس کے پیر پر ٹھوکا دے کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"یہ ایسے نہیں مانیں گے استاد!"

"موٹر سائیکل بھگاؤ۔" سر خیل خان بھی چنگھاڑا۔

"بڑا جوش ہے تم میں۔" پہلا والا آگے بڑھا۔

"استاد! ذرا ٹھنڈا کرو اس کے ابلتے خون کو۔" بس لمحوں کا کھیل تھا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا تھا اور حماد خان جو اپنا جمع جتھا نکال رہا تھا فائر کی آواز سن کر دم بخود رہ گیا۔ وہ دوسرا فائر کھولنے لگا تھا جب حماد خان نے بغیر سوچے سمجھے نقاب پوش آدمی سے پستول جھپٹنا چاہا تھا۔ سر خیل خان کے سینے میں اترنے والی گولی رخ بدل کر حماد خان کے دل میں اتر گئی تھی۔ لمحوں کا کھیل تمام ہوا تھا۔

وہ کون لوگ تھے؟ دہشت گرد؟ ڈاکو؟ لٹیرے؟ جو

www.pkdigest.com

بھی تھے بس لمحوں میں کومل بختیار کا دل اجاڑ کر بھاگ نکلے اور اسی سہ پہر پنڈی میں بم دھماکہ ہوا اور نہ جانے کتنے ہی بے قصور لوگ موت کی آغوش میں جا سوئے۔ سہاگنیں اجاڑ گئیں ہو گئیں، بچے یتیم ہوئے۔

حماد خان نے موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا۔ زندگی جسے دیکھ کر مسکراتی تھی۔ وہ بہت ہی ذہین اور حد درجہ خوددار مخلص دوستی اور دوست پر قربان ہو گیا تھا۔ کیا تھا اگر وہ سرخیل خان کے سامنے نہ آتا؟ وہ بے رحم گولی حماد خان کا سینہ تو نہ چیرتی؟ اسپتال کے بستر پر پڑے ان سوچوں کے علاوہ اس کے پاس آخر بچا ہی کیا تھا۔ وہ تو اتنا بدنصیب تھا کہ حماد خان کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکا تھا۔ ابا جان اس کی حالت دیکھ کر اور بھی بیمار رہنے لگے تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ کچھ عرصہ کے لیے سرخیل خان کو اس کے بھائیوں کے پاس بھجوا دیں۔ سرخیل خان باہر جانا تو نہیں چاہتا تھا مگر گل شیر اور خیبر لالہ کے اصرار نے اسے مجبور کر دیا تھا اور وہ اپنے یار کی دائمی جدائی اور ناگہانی موت کا نہ بھولنے والا غم لیے پردیس چلا گیا۔

وہ مقدر کی ستم ظریفی پر ششدر تھا۔ پہلے تکلیف نہیں رہی تھی پھر حماد خان چلا گیا۔ اپنے ہی غموں میں گم سرخیل خان کو لمحہ بھر کے لیے بھی حماد خان کی بیمار بوڑھی ماں اور تین روز کی بیوہ کا خیال نہیں آیا تھا۔ یورپ کی رنگینیوں اور تیز رفتار زندگی میں کھو کر اب بھی یقیناً" وہ کبھی نہ چونکتا مگر اس خواب نے سرخیل خان کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اور اس خواب کا تسلسل پاکستان آنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ یہ بہلا عجیب و غریب خواب تھا جس نے حماد خان کو ٹھٹکا دیا۔ یہاں تک کہ اسے گل شیر سے بہت سی باتیں شیئر کرنا پڑی تھیں اور گل شیر نے اسے وادی میں جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خواب کا وہ سفر اس حسین برف سے ڈھکی وادی میں اختتام پذیر ہوا تھا، جب اس نے یعنی سرخیل خان نے کومل بختیار کو دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"آج بڑے خوش دکھائی دے رہے ہو۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے بھی اتنے خوش نہیں تھے۔" وہ جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہی تھی۔ بڑے اہتمام سے تیار ہوتا حماد خان اسے دیکھنے لگا تھا اور پھر مسکرا دیا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟"

"پنڈی جا رہا ہوں۔" وہ پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مصروف سے انداز میں بولا۔

"یہ پنڈی تو میری سوکن بنتا جا رہا ہے۔" کومی جل بھن کر رہ گئی۔

"کوہاٹ سے میرا یار آ رہا ہے۔ اسے ساتھ لے کر آؤں گا۔ وہ یہاں کے راستوں سے انجان ہے۔" حماد خان نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی تھی۔

"تمہارا یار میری پہلی سوکن ہے اور یہ پنڈی کا شہر دوسری۔ ان دونوں نے تمہارے پیروں میں پہیے باندھ رکھے ہیں۔" کومل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ایک ہی تو میرا دوست ہے۔ اس سے مت جلا کرو۔" حماد خان نے قہقہہ لگایا تھا۔

www.pkdigest.com

"تمہارا دوست میرا رقیب ہے۔" وہ کھبل تھیں کر رہی تھی۔ "واپسی کب تک ہوگی؟"

"ابھی گھنٹہ ڈیڑھ میں تمہارے پاس آ جاؤں گا، فکر مت کرو۔" حماد خان نے اسے تسلی دی۔

"ویسے تمہارا اکلوتا یار شادی میں تو آیا نہیں۔"

"اسی لیے تو اب آ رہا ہے، تمہیں رونمائی کا تحفہ دینے، اس کے والد اچانک بیمار ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے آ نہیں سکا تھا۔" وہ جاگرز کے تسمے کستا کھڑا ہو گیا۔

"کھانے میں کیا بناؤں؟" کومی کو ایک دم خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"جو کچھ وہ شوق سے کھاتا ہے، تم نہیں بنا سکو گی۔ اپنی مرضی سے کچھ بھی بنا لینا۔" حماد خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ شوق سے کیا کھاتا ہے، میں مہمان کی پسند کا کھانا بناؤں گی۔" وہ ضدی لہجے میں گویا ہوئی۔

"تمہیں بنانا ہی نہیں آئے گا یار! اپنی روایتی ڈشز بنا لینا۔ جو بھی آسانی کے ساتھ پکا سکو۔" وہ نرمی سے

سمجھانے لگا تھا مگر کومی کو غصہ آ گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو، میں پھوہڑ ہوں، کچھ پکا نہیں سکتی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں، خان کو الم غلم پسند ہے، میں تو۔" حماد خان کی بات درمیان میں رہ گئی تھی۔

"کچھوے اور خرگوش کھاتا ہے تمہارا یار! پھر تو معذرت کرتی ہوں، یہ میں نہیں بنا سکتی۔" وہ بھنائی۔

"اسے بدیسی کھانے پسند ہیں، چائنیز فوڈ، اٹالین، فرانسیسی۔" حماد خان نے ہنستے ہوئے وضاحت کی۔

"بڑا آیا انگریز کا پتر۔" کومی نے جل کر کہا۔ "ادھر مت لانا اسے، مینڈک اور مچھر کھانے والے کو، چھی چھی۔" کومی کا جی بری طرح متلایا۔

"وہ مینڈک اور مچھر نہیں کھاتا، اف کومل! تم بھی نا۔" وہ ہنس ہنس کر بے حال ہوا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ اس قدر دل سے ہنسا تھا۔ اور کومی کو بھلا کیا خبر تھی کہ وہ آخری مرتبہ اسے دیکھ رہی ہے۔ اس کی ہنسی کو آخری مرتبہ سن رہی ہے۔ اگر جان جاتی تو جی بھر کے دیدار سے سیراب ہو جاتی۔

"دیر سے جلدی آ جانا۔ وہیں ڈیرہ لگا کے بیٹھ نہ جانا۔" وہ باہر نکلنے سے پہلے بار بار اسے یاد دہانی کروا رہی تھی۔ "پنڈی ہمیشہ تمہیں روک لیتا ہے۔" اور پنڈی نے سچ مچ اسے ہمیشہ کے لیے روک لیا تھا۔

وہ اپنے قول کے مطابق ڈیڑھ گھنٹے سے بھی پہلے آ گیا تھا۔ مگر تنہا، خاموش، ساکت، اکیلا، خون میں تر تر، نہ جانے اس کا یار کہاں تھا۔ جسے لینے کے لیے وہ گیا تھا۔ اور کومل دسترخوان پر رنگ رنگ کے کھانے سجائے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اور یہ انتظار، انتظار ہی رہا تھا۔ آنا" فاناً" ہر منظر کو لال رنگ نے ڈھانپ لیا تھا۔ خالہ پچھاڑیں کھا کر گر پڑی تھیں اور کومل اس کے وجود کو وقت کے اس بے رحم وار نے پتھر کر دیا تھا۔ سنگ مرمر سے تراشے اس پتھر میں جان کب پڑی تھی۔ اس وقت جب وہ اجنبی سر جھکائے، بھرائی آواز میں اور نم آنکھوں سے سفید برف کو دیکھتا انکشاف کر رہا تھا، اور اس کے انکشاف نے کومل کو دنگ کر دیا۔

"میں حماد خان کا یار ہوں، اکلوتا یار، میری زندگی کو بچاتے ہوئے وہ اپنی زندگی ہار گیا تھا۔ میرا دوست مجھ پر قربان ہو گیا۔ میں بدنصیب ہوں، جو اسے کاندھا بھی نہ دے سکا۔ میں بے غیرت ہوں جو اس کی بوڑھی ماں اور تین دن کی بیاہی بیوہ کو بے آسرا کر گیا۔ مڑ کر خبر بھی نہ لی۔ پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ میں مجرم ہوں تمہارا، میری وجہ سے تم اجاگن ہو گئیں۔ اور میں سرخیل دلاور خان طلب گار ہوں تمہارا۔ اگر مجھے اپنے قابل سمجھو، میں پھر سے تمہیں آباد کروں گا، شاد کروں گا، تمہیں پھر سے خوشی کے رنگ سے روشناس کرواؤں گا، تمہاری آنسوؤں میں گم ہنسی کو لوٹاؤں گا، میری جان پر ایک قرض دھرا ہے، یہ قرض مجھے چکانا ہے، تم چاہو تو ایک نئی زندگی تمہاری منتظر ہے۔"

سرخیل خان کارنر ٹیبل پر سجی حماد خان کی زندگی سے بھرپور تصویر کو اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر تم چاہو تو، ستارے پھر سے چمکنے لگیں گے، اگر تم چاہو تو بہاریں لوٹ آئیں گی، اگر تم چاہو تو سرخیل خان جرم کے اس احساس سے بری ہو جائے گا، اگر تم چاہو تو سرخیل خان تمہیں پھر سے محبت کرنے کا سلیقہ اور طریقہ سکھا دے گا اور اگر تم اجازت دو گی تو میں تمہارے دل کی سرزمین پر اپنی محبت کا بیج بو دوں گا۔" وہ اسے ساکت، بے دم اور گم صم کھڑا دیکھ کر رکا نہیں تھا، پلٹ گیا تھا، دھیمے اور مضبوط قدموں سے۔

☼ ☼ ☼

"میں کومل بختیار ہوں، حماد خان کی بیوہ، بدمزاج، غصیلی، جھگڑالو، بستی کے لوگ مجھے ان ہی القابات سے نوازتے ہیں، حماد خان کے جانے کے بعد میں نے خود پر ایسا ہی خول چڑھا لیا تھا۔ میں نے زندگی سے خوشی اور ہنسی کی طلب کرنا چھوڑ دی تھی۔ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا، پیسہ جمع کرنا، رقم جوڑنا اور میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے بہت مشقت کر رہی تھی۔

مجھے بستی والوں کے لیے بہت بڑا نہ سہی ایک چھوٹا سا اسپتال بنوانا تھا اور اس کے لیے بہت وقت اور پیسے کے ساتھ ساتھ طویل انتظار کی ضرورت تھی اور مجھے لگا تھا یہ انتظار اختتام پذیر ہو گیا ہے۔

سرخیل خان‘ ایک نرم دل اور نیک طبیعت نوجوان‘ درد دل رکھنے والا ہمدرد انسان‘ مجھے امید تھی سرخیل میری مدد ضرور کرے گا اور اسی وجہ سے میں نے اپنا رویہ بدل لیا تھا۔ میں اس سے نرمی سے بات کرنے لگی تھی۔ حالانکہ میری حسیات خاصی تیز ہیں اور میں اس کی نظروں کے بدلتے مفہوم سے انجان نہیں تھی اور صرف مصلحت کے تحت خاموش رہنا میری مجبوری تھا۔

اور آج میں سرخیل خان سے اسی موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی‘ جب اس کے انکشاف نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔

”تو تم تھے حماد خان کے دوست‘ جس پر میرا حماد خان قربان ہو گیا۔“ میں ششدر تھی‘ حیران تھی اور وہ کہے جا رہا تھا۔ ”اگر تم چاہو تو۔“

میرے اردگرد بس ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ خوشیاں دستک دے رہی تھیں تو کیا دروازہ کھول دوں؟

اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

”لوٹ جاؤ سرخیل خان! کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔“ وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

”پلیز کومل! جذباتیت سے باہر نکل کر فیصلہ کرو‘ کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ کہ میں حماد خان کا دوست ہوں۔“ سرخیل خان نے گویا التجا کی تھی۔

”کیسے بھول جاؤں‘ تمہاری خود غرضی کو‘ کس طرح حماد خان کے زخم زخم وجود کو اجنبی اور غیر لوگ لے کر آئے تھے‘ تم کہاں تھے اس وقت بزدل آدمی‘ کون کون سا قرض اتارو گے‘ ایک دوستی کا حق تو ادا نہ کر سکے۔“ وہ چلا اٹھی تھی۔

”میں کہاں تھا؟“ سرخیل خان تھم سا گیا۔ پھر جب بولا تو اس کے لہجے میں واضح ٹھہراؤ تھا۔ ”میں سرکاری اسپتال کے ایک بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ مجھے بھی اجنبی اور غیر لوگ اسپتال لے کر گئے تھے۔ آٹھ دن بعد میرے گھر والوں کو میرے ساتھ ہونے والے حادثے کا پتا چلا تھا‘ اور اس کے بعد۔“ وہ دھیرے دھیرے اول سے آخر تک کے سارے واقعات دہراتا چلا گیا۔

”میں تمہاری بدگمانی دور کرنے کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔“ وہ تھک سا گیا تھا۔

”مجھے کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں۔“ کومل ٹھہر سی گئی تھی۔ ”جو ہوا اللہ کی طرف سے تھا۔ میں نے‘ خالہ نے‘ ہم نے تسلیم کر لیا اور اللہ کی رضا میں راضی ہو گئے۔“ اس کی آنکھیں موتی برسانے لگی تھیں۔

”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ وہ بھی بہت دیر بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

”یہ ناممکن نہیں سرخیل خان!“ کومل لرزیدہ آواز میں بولی۔

”کیوں ممکن نہیں۔“ وہ بے چین ہوا۔ ”میں نہ جھوٹا ہوں نہ فریبی ہوں‘ نہ دھوکے باز ہوں‘ ہاں میں نے تم تک آنے میں ضرور کچھ دیر کر دی ہے۔“

”تم چلے جاؤ سرخیل! یہاں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔ اس دل میں ایک قبر ہے‘ جس کی میں پجارن ہوں۔“ وہ رو رہی تھی‘ بے آواز‘ خاموشی سے‘ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ کسی اجنبی کے سامنے رو رہی تھی اور وہ اجنبی تھا کہاں۔

”قبروں کی پرستش کرنے والے جانتی ہو کیا ہوتے ہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”میں اس موضوع پر تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ روکھے پن سے بولی۔ ”اگر تم سمجھتے ہو کہ حماد خان نے تمہاری زندگی بچا کر کوئی احسان کیا تھا یا پھر خود پر کچھ قرض سمجھتے ہو تو۔“ وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ ”تم سرخیل خان! یوں کرو‘ ایک ایسی نیکی کرو‘ جو امر ہو جائے‘ جو مرنے کے بعد بھی تمہیں ثواب پہنچاتی رہے۔ تم اس بستی میں ایک اسپتال بنوا دو‘ جس میں

الٹرا ساؤنڈ سے لے کر ایکسرے مشین تک کی سہولیات موجود ہوں‘ تم کچھ ایسا کیوں نہیں کرتے‘ جو مرنے کے بعد بھی ہمیشہ یادگار رہے گا۔ دلوں میں تم ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے‘ کبھی مرو گے نہیں۔“

”کسی بیوہ عورت کا سہارا بننا بھی ثواب کا کام ہے‘ میں یہ نیکی بھی اپنے نامۂ اعمال میں لکھوانا چاہتا ہوں۔“ وہ کھل کر مسکرا دیا تھا‘ ایک بوجھ تھا جو دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

”تم ایسی بات کیوں کر رہے ہو‘ جو ناممکن ہے۔“ وہ گویا زچ ہوا تھی۔

”ناممکن کیا ہے؟ خالہ جی دل سے رضامند ہیں۔ ان کا بس چلے تو ہاتھ پکڑ کر تمہیں میرے ساتھ چلتا کر دیں۔“ بدگمانی کے بادل چھٹ رہے تھے۔ مطلع صاف ہو رہا تھا۔ ”کومل! مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جا سکتا۔ زندگی رکنے کا نام نہیں‘ آگے بڑھنے کا نام ہے۔“

”بات صرف خالہ جی کی رضامندی تک تو محدود نہیں‘ تم سمجھتے کیوں نہیں؟ یہ معاشرہ تمہیں جینے نہیں دے گا‘ تمہارا خاندان‘ برادری۔“ وہ ہونٹ کچلتے خاموش ہو گئی۔

”تم میں کیا کمی ہے‘ بیوہ یا مطلقہ عورت سے شادی کرنا بھی یہ معاشرہ ایک جرم ہی بناتا ہے‘ لفظوں کے کوڑے پہلے سے تیار کر لیے جاتے ہیں۔“

”مجھے کسی کی پروا نہیں اور رہی میرے خاندان کی بات تو میرے ابا جان اور اماں جانتے ہیں‘ میں کیوں پچھلے تین مہینے سے گھر بدر پھر رہا ہوں‘ یہاں کیوں آیا ہوں۔“

”کیوں آئے ہو؟ کیا جانتے ہیں وہ۔“ کومی حیران رہ گئی۔

”تمہارے لیے‘ اور وہ بھی یہاں آنے کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں‘ تم رین سگنل دو گی تب ہی اماں اور ابا جان آئیں گے اور تگین بھی۔“ وہ اسے مزید حیران کر رہا تھا۔ ”وہ تمہیں پورے اعزاز کے ساتھ لے کر جائیں گے‘ اب تو دو من کے سر کو ہلا دو۔“

”تگین؟“ کومی‘ تگین میں ہی اٹک گئی تھی۔

”تگین بس آیا ہی چاہتی ہے۔“

”تگین آچکی ہے عالی جاہ۔“ ایک پُرجوش اور جوشیلی آواز سنائی دی تھی۔ ”شہزادی عالیہ‘ تم کہاں ہے عالی جاہ۔“ وہ مسکراتے ہوئے کومل سے لپٹ رہی تھی اور کومل پھر سے دنگ۔

”آنکھیں لالہ کے پاس چھوڑ آئی ہو‘ تین من کی دوشیزہ۔“ تگین کو دیکھتے ساتھ ہی اس کی زبان پھسلنے لگی تھی۔

”ان کی نگرانی بھی ضروری ہے۔“ وہ کھلکھلائی۔ ”مجھے تگین خیبر خان کہتے ہیں۔ میں مستقبل میں تمہاری جیٹھانی بنوں گی‘ گن گن کر بدلے لوں گی اس مکار آدمی سے‘ ہماری ناک تلے ڈرامے کا ڈراپ سین بھی کر دیا۔“

”یہ تگین خیبر خان ہیں‘ میری سابقہ منگیتر۔“ سرخیل خان نے اسے چھیڑا‘ ساتھ تعارف کا مرحلہ بھی نمٹا دیا تھا۔

”شکر ہے‘ میری اس سے شادی نہیں ہوئی۔“ تگین بھی اسے پتا رہی تھی۔ ”اپنا یہ پیارا سا کزن‘ چھوٹا دیور اور سابقہ منگیتر تمہارے نام کرنے آئی ہوں۔ بقیہ لوگ ابھی پہنچنے ہی والے ہیں۔ باقاعدہ بارات بعد میں آئے گی‘ ابھی جلدی سے منظوری دو‘ میں تمہاری مرضی معلوم کرنے آئی ہوں۔“ وہ کومل کے کان میں گھس رہی تھی۔

”اپنے دیور کو میرے سے کیوں مار رہی ہو۔“ کومل گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی‘ اور پھر اسے خالہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔ کومل نے مڑ کر دیکھا۔ وہ لاٹھی کے سہارے کھڑی تھیں اور ان کا چہرہ جگمگ کر رہا تھا۔ ان خوشیوں کی آمد کی وجہ سے جو کومی کو انعام کے طور پر دی گئی تھیں۔

”بول نا کومی!“ خالہ نے گویا التجا کی۔ ایسی التجائیں تو وہ کئی روز سے کر رہی تھیں۔ سرخیل خان‘ خالہ اور تگین پھر میں شگاف تو ہونا ہی تھا۔

www.pkdigest.com

"کیا بولوں؟" کومی نروس ہو رہی تھی۔
"ہوس لوفر کا ساتھ منظور ہے۔" تمکین اسے ٹہوکے دے رہی تھی۔ اس نے خالہ کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ہونٹوں سے ایک پھڑپھڑاتی ہاں نے چھوٹے سے کمرے کو زعفران زار کر دیا تھا۔ کومل نے دیکھا سب کے چہرے روشن تھے۔ خالہ مسکرا رہی تھیں۔ سرخیل خان وکٹری کا نشان دکھا رہا تھا۔ تمکین پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ شاید وہ ایسی ہی تھی بے حد چلبلی اور کومل بختیار خان نے کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔ آسمان سے گرتی سفید برف بھی مسکرائی تھی۔

کومل کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹا اور برف پر گرتے ہی کھو گیا۔ یہ ستارہ حماد خان کی یاد میں گرا تھا شاید آخری مرتبہ اور وہ رب کی رضا میں راضی تھی۔ اس نے صبر اور شکر کو اپنا شعار بنائے رکھا تھا۔ تب ہی وہ پھر سے نوازی گئی تھی۔

وہ گزشتہ رات کو سوچ رہی تھی، جب خالہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

"بیٹا دل کے بند کواڑوں کو کھول دو، قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔ جو چلا گیا اس پر صبر کر لو، جو تمہارے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے اس پر شکر ادا کرو، جینے کا سلیقہ اسی میں ہے اور بہت کم لوگ سرخیل خان جیسے ہوتے ہیں، رفاقت اور یاری کو نبھانے والے، اپنے گھر سے چراغ روشن کر کے راہ گیر مسافروں کو راہ دکھانے والے، سچے اور خالص لوگ سرخیل خان نے مجھے بتایا تھا۔ وہ تمہارا طلب گار بن کر یہاں نہیں آیا تھا۔ وہ تو حماد خان کی ماں اور بیوہ کا کفیل بننا چاہتا تھا۔ خبر گیری کرنے آیا تھا۔ اور پھر دل پر پہرہ بٹھانا ممکن کہاں ہے۔ تم اسے مایوس کرو گی تو وہ لوٹ جائے گا۔ زندگی کے سفر میں کوئی بھی ہم سفر مل جائے گا اسے مگر تم کو میری بیٹا! تمہیں زندگی کے طویل سفر میں ایسا ساتھی ہرگز نہیں ملے گا جو تمہارے ساتھ بیٹھ کر حماد خان کو باتوں اور یادوں میں زندہ رکھے۔"

"میں حماد خان کو بھولنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔" وہ سسک رہی تھی۔

"اور میں تمہیں کب مجبور کر رہا ہوں کہ اسے بھول جاؤ۔" سرخیل خان نہ جانے کب دریچے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ "تم اسے یاد کر کے رونا چاہو تو رو سکتی ہو۔ جب بھی دل بہت مجبور کرے تو مجھے بتانا۔ میں تمہیں اس کی قبر پر لے آیا کروں گا۔ ہم فاتحہ پڑھیں گے۔ اس کے ایصال ثواب کے لیے اس بستی میں اسپتال بنوائیں گے۔ اس گیسٹ ہاؤس کی تعمیر نو ہوگی۔ ہر سہولت سے مزین کیا جائے گا اور اس گیسٹ ہاؤس میں پہلے کی طرح مزدور پیشہ لوگ آ کر قیام کریں گے۔ حماد خان کے ہر خواب کو سچا کروں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا۔ وہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا، ایک بہترین زندگی دینا چاہتا تھا، زندگی نے اسے مہلت نہیں دی۔ تم حماد خان کی خاطر خوش رہا کرو، اور آخری بات، تم میرے جذبات کی قدر کرو، محبت کرو یا نہ کرو، مگر میرے اس فیصلے، لگن اور جذبہ کو کبھی بے مول مت کرنا کہ میں سرخیل خان ایک خواب کے توسط سے تم تک پہنچا ہوں۔ ہے نا عجیب بات بہت سے لوگ میرے خواب کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان میں ایک نعیم لالہ تھے۔ بہت سے لوگ میرے خواب کو ایک وہم اور خیال سمجھ کر جھٹلا دیتے تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے ایک اشارہ سمجھا اللہ کی طرف سے دیا گیا اشارہ۔ اور مجھے پورے دل کے ساتھ جینے کی اجازت دی۔ ان میں میری اماں، گل شیر اور تمکین شامل ہیں۔ اماں نے کہا تھا جب اللہ دو لوگوں کو ملانا چاہتا ہے تو وسیلے خود بخود بنا دیتا ہے۔ میں نے حماد خان کی بیوہ سے نکاح کسی احسان کے بدلے نہیں کیا ہے۔ میرے دل نے تمہارے لیے محبت محسوس کی تھی اور اگر تم چاہو تو اپنے دل کے بند کواڑ سرخیل خان کے لیے کھول سکتی ہو۔" وہ روشن آنکھوں سے دیکھتا ہوا اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"بولو نا۔" سرخیل خان کا نقش نقش درخواست کر رہا تھا۔

"کچھ وقت اور دن تو لگیں گے۔" وہ آنسو پونچھتی ہوئے مسکرائی تھی۔ اس مسکراہٹ میں اقرار چھپا تھا۔ سرخیل خان بھی کھل کر مسکرا دیا۔ کہ وہ بند کواڑوں کے کھلنے تک کا انتظار کر سکتا تھا۔

☼

www.pkdigest.com

"کیا بولوں؟" کومی نروس ہو رہی تھی۔
"ہوس لوفر کا ساتھ منظور ہے۔" تمکین اسے ٹہوکے دے رہی تھی۔ اس نے خالہ کی پھر سے التجا سی تھی اور لبوں سے ایک پھڑپھڑاتی ہاں نے چھوٹے سے کمرے کو زعفران زار کر دیا تھا۔ کومل نے دیکھا، سب کے چہرے روشن تھے۔ خالہ مسکرا رہی تھیں۔ سرخیل خان وکٹری کا نشان دکھا رہا تھا۔ تمکین پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ شاید وہ ایسی ہی تھی بے حد چنچل، اور کومل بختیار خان نے کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔ آسمان سے گرتی سفید برف بھی مسکرائی تھی۔

کومل کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹا اور برف پر گرتے ہی کھو گیا۔ یہ ستارہ حماد خان کی یاد میں گرا تھا، شاید آخری مرتبہ، اور وہ رب کی رضا میں راضی تھی۔ اس نے صبر اور شکر کو اپنا شعار بنائے رکھا تھا۔ تب ہی وہ پھر سے نوازدی گئی تھی۔

وہ گزشتہ رات کو سوچ رہی تھی، جب خالہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

"بیٹا! دل کے بند کواڑوں کو کھول دو، قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔ جو چلا گیا، اس پر صبر کر لو، جو تمہارے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے، اس پر شکر ادا کرو، جینے کا سلیقہ اسی میں ہے، اور بہت کم لوگ سرخیل خان جیسے ہوتے ہیں، رفاقت اور یاری کو نبھانے والے، اپنے گھر سے چراغ روشن کرکے راہ گیر، مسافروں کو راہ دکھانے والے، سچے اور خالص لوگ سرخیل خان نے مجھے بتایا تھا۔ وہ تمہارا طلب گار بن کر یہاں نہیں آیا تھا۔ وہ تو حماد خان کی ماں اور بیوہ کا کفیل بننا چاہتا تھا۔ خبرگیری کرنے آیا تھا۔ اور پھر دل پر پہرہ بٹھانا ممکن کہاں ہے۔ تم اسے مایوس کرو گی تو وہ لوٹ جائے گا۔ زندگی کے سفر میں کوئی بھی ہم سفر مل جائے گا اسے مگر تم کو پچھتا، تمہیں زندگی کے طویل سفر میں ایسا ساتھی ہرگز نہیں ملے گا جو تمہارے ساتھ بیٹھ کر حماد خان کو باتوں اور یادوں میں زندہ رکھے۔"

"میں حماد خان کو بھولنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔" وہ سسک رہی تھی۔

"اور میں تمہیں کب مجبور کر رہا ہوں کہ اسے بھول جاؤ۔" سرخیل خان نہ جانے کب دریچے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ "تم اسے یاد کرکے رونا چاہو تو رو سکتی ہو۔ جب بھی دل بہت مجبور کرے تو مجھے بتانا۔ میں تمہیں اس کی قبر پر لے آیا کروں گا۔ ہم فاتحہ پڑھیں گے۔ اس کے ایصال ثواب کے لیے اس بستی میں اسپتال بنوائیں گے۔ اس گیسٹ ہاؤس کی تعمیر نو ہوگی۔ ہر سہولت سے مزین کیا جائے گا اور اس گیسٹ ہاؤس میں پہلے کی طرح مزدور پیشہ لوگ آکر قیام کریں گے۔ حماد خان کے ہر خواب کو سچا کروں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا۔ وہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا، ایک بہترین زندگی دینا چاہتا تھا، زندگی نے اسے مہلت نہیں دی۔ تم حماد خان کی خاطر خوش رہا کرو، اور آخری بات، تم میرے جذبات کی قدر کرو، محبت کرو یا نہ کرو، مگر میرے اس فیصلے، لگن اور جذبہ کو کبھی بے مول مت کرنا کہ میں سرخیل خان ایک خواب کے توسط سے تم تک پہنچا ہوں۔ ہے نا عجیب بات بہت سے لوگ میرے خواب کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان میں ایک خیبر لالہ تھے۔ بہت سے لوگ میرے خواب کو ایک وہم اور خیال سمجھ کر جھٹلا دیتے تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے ایک اشارہ سمجھا، اللہ کی طرف سے دیا گیا اشارہ۔ اور مجھے پورے دل کے ساتھ جینے کی اجازت دی۔ ان میں میری اماں، گل شیر اور تمکین شامل ہیں۔ اماں نے کہا تھا جب اللہ دو لوگوں کو ملانا چاہتا ہے تو وسیلے خود بخود بنا دیتا ہے۔ میں نے حماد خان کی بیوہ سے نکاح کسی احسان کے بدلے نہیں کیا ہے۔ میرے دل نے تمہارے لیے محبت محسوس کی تھی اور اگر تم چاہو تو اپنے دل کے بند کواڑ سرخیل خان کے لیے کھول سکتی ہو۔" وہ روشن آنکھوں سے دیکھتا ہوا اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"بولو نا۔" سرخیل خان کا نقش نقش درخواست کر رہا تھا۔

"کچھ وقت اور دن تو لگیں گے۔" وہ آنسو پونچھتی ہوئے مسکرائی تھی۔ اس مسکراہٹ میں اقرار چھپا تھا۔ سرخیل خان بھی کھل کر مسکرا دیا۔ کہ وہ بند کواڑوں کے کھلنے تک کا انتظار کر سکتا تھا۔

☆

www.pkdigest.com